

طَنَزُومَزَاح

خَشُّ وَخَاشَاکُ

هاشم عظیم آبادی

## جملہ حقوق بہ حق مصنف محفوظ

اس کتاب کی اشاعت میں بہار اردو اکادمی پریستہ کا مال تواون شامل ہے • کتاب میں شائع مواد سے بہار اردو اکادمی کا متفق ہونا ضروری نہیں • کسی بھی قابل اعتراض مواد کی اشاعت کے لئے خود مصنف ذمہ دار ہے

مصنف \_\_\_\_\_ ہاشم عظیم آبادی

تعداد \_\_\_\_\_ ایک ہزار

صفحات \_\_\_\_\_ ۱۳۶

سال اشاعت \_\_\_\_\_ ۱۹۹۸ء

ناشر \_\_\_\_\_ ہاشم عظیم آبادی

نوش نویس \_\_\_\_\_ محمد عالمگیر سکھانچورہ گڈا

مہتمم \_\_\_\_\_ سلطان آزاد

مصنف کاپیٹہ \_\_\_\_\_ تری پولیا عالم گنج، پتھری گھاٹ پٹنہ

قیمت \_\_\_\_\_ سو روپے = Rs. 100/-

===== باختیار کتب قسیم کار =====

مکتبہ آزاد پبلیکیشن گلزار باغ پٹنہ

# انتساب

اپنے خرد سال پوتے شارق، طارق اور  
اشعر کے نام جو مجھے دادا نہ کہہ کر ابا کہتے ہیں  
کیوں کہ اُن کی سمجھ کے مطابق دادا کے چہرے  
پر دائرہ ہوتی چاہئے جب کہ میں فیشن کی  
انتظام صفائی پر عمل ہوں ۔

باشم عظیم آبادی



# فہرست مضامین

صفحات

شمار

۶	۱۱	کچھ اپنی تخلیقات اور دانشوروں کی آراء سے متعلق	۱
۱۲	۱۵	ریٹائرڈ ڈالاف	۲
۱۴	۱۹	میر صاحب کی شہزادی	۳
۲۰	۲۱	ایک گدھے کا خط دوسرے گدھے کے نام	۴
۲۲	۲۵	جنت سے براڈ کاسٹنگ	۵
۲۶	۳۱	آل انڈیا سخن تمکبہ کانفرنس	۶
۳۲	۳۳	قابض ارواح کی التجا بارگاہ رب العزت میں	۷
۳۴	۳۶	داماد کا انتخاب بدربیعہ اسٹریو	۸
۳۷	۳۹	میری ملاقات ابلیس سے	۹
۴۰	۴۲	منشی کفایت اللہ	۱۰
۴۲	۴۶	میرے فرضی مرض کے چار معالج	۱۱
۴۷	۴۹	روخانی کی رسم اجراء	۱۲
۵۰	۵۲	فریدین خالہ	۱۳
۵۳	۵۵	دوزخ سے براڈ کاسٹنگ	۱۴
۵۶	۵۹	خدا بچائے ایسے شاعر سے	۱۵
۶۰	۶۳	قادر سن ٹریڈنگ سٹر	۱۶
۶۴	۶۸	معاف کیجئے گا	۱۷

۷۹	۷۳	کتوں کی کافقرتیں	۱۸
۷۲	۷۶	مرصہ شاعری کے تین اشیخ	۱۹
۷۷	۸۰	ثانی عشو	۲۰
۸۱	۸۲	مردوں کی کافقرتیں	۲۱
۸۵	۸۷	یہ رشتے	۲۲
۸۸	۸۹	ستہ دو ستر عیسوی میں برپا ہونے والے شاعروں کی جھلک	۲۳
۹۰	۹۳	مجھے کیا بڑا تھا مرنے	۲۴
۹۲	۹۶	ملک الموت سے آسٹریلیا	۲۵
۹۷	۱۰۲	جوہر سیواۃ جوہر طرافت کے آئینہ میں	۲۶
۱۰۲	۱۰۸	احوال غالب یہ زیبائی غالب	۲۷
۱۰۹	۱۱۲	چھاپیر کنگ سیلون میں	۲۸
۱۱۲	۱۱۷	جوش عظیم آبادی اور ان کا منظور نظر	۲۹
۱۱۸	۱۲۱	کچھ چچی کی زیبائی	۳۰
۱۲۲	۱۲۵	ہاشم عظیم آبادی سے آسٹریلیا	۳۱
۱۲۶	۱۲۷	بے چاری ناک	۳۲
۱۲۸	۱۲۹	لولامیٹر	۳۳
۱۳۰	۱۳۱	امتحان کا نتیجہ	۳۴
۱۳۲	۱۳۳	چچا بہار اردو اکیڈمی میں	۳۵
۱۳۵	—	اکہ کنوارے کی دعا	۳۶
۱۳۶	—	پروہجرام	۳۷



## کچھ اپنی تخلیقات اور دانشوروں کی آرام سے متعلق

میری ولادت ۱۹۲۲ء میں شہر عظیم آباد پٹنہ میں ایک معزز بیدگھر گھرانے میں ہوئی  
تعلیم و تربیت والد محترم سید نظیر حسن (مرحوم) کی زیر نگرانی پُرانے ڈھنگ پر ہوئی۔ گھر ہی  
پر اردو فارسی اور انگریزی کی ابتدائی تعلیم کے بعد میرا داخلہ اسکول میں کرایا گیا۔  
میرے معلم جناب تالطف حسین مرحوم بڑے زمانہ دل شغص تھے بات بات پر چمکے اور ہنسی  
مذاق ان کی عادت ثانیہ تھی۔ انھیں کے مزاحیہ اشعار اور طنز آمیز باتیں کان میں پڑتی  
رہنے کے باعث میرے اندر بھی طنز و مزاح اور شعر و شاعری کے جراثیم پیدا ہونے لگے۔

میری سب سے پہلی نظم اپریل ۱۹۳۸ء میں پٹنہ کے سر روزہ اخبار اتحاد میں شائع  
ہوئی جسے جناب سلطان احمد مرحوم نکالا کرتے تھے۔ نثر میں چچا کے مضحک پہلوؤں پر مزاحیہ  
خاکے پیش کرنے کا سلسلہ میں نے ۱۹۴۰ء سے شروع کیا جو ایک دلچپ اور مرغوب پینچر  
کے طور پر برسوں اخبار اور رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ اُن مضامین کے پندرہ خاکوں  
کا ایک مختصر انتخاب یہ عنوان ”چچا“ کتابچہ کی شکل میں ۱۹۴۰ء میں طبع ہوا اس وقت جناب  
ذاکر حسین مرحوم، بہار کے گورنر تھے اس کتابچہ کے مطالع کے بعد صاحب موصوفت  
نے اپنے دست خاص سے مندرجہ ذیل سطور لکھ کر میری عزت افزائی فرمائی تھی۔

BIHAR GOVERNOR CAMP

یکم مئی ۱۹۴۰ء

مکرمی ہاشم صاحب تسلیم

آپ سے بہت شرمندہ ہوں کہ کوئی ساڑھے تین ہفتہ کے بعد آپ کی کتاب ”چچا“ کی

رہید بھی رہا ہوں۔ دیر کرنے میں تبت بخیر تھی۔ سوچا کہ کتاب پڑھ لوں تو رید بھیجوں اسی میں دیر ہو گئی۔ کتاب مختصر سی ہے کاغذوں میں دیکھی۔ پھر اور کاموں میں مبتلا ہو گیا۔ اب اسے پڑھنے کی نوبت آئی ہے بہت خوب ہے۔ میرا دلی شکریہ قبول فرمائیں۔ اور خوش کہ وقت مانوش کر دی۔

میری دوسری شعری تخلیق کا تقریباً ۶۳ء میں منظر عالم پر آئی جس کے سارے خاکے پینہ ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہوئے پھر غالب کی زمین مراجمہ اور طنزیہ اشعار کا ایک دیوان بعنوان اندازِ بیاں اور 'بہارِ اردو اکبڑی کی مالی معاونت سے ۸۴ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا اور انعام سے بھی نوازا گیا۔

اندازِ بیاں اور 'کامسودہ ملاحظہ فرما کر ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم جواں وقت صدر جمہوریہ کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھے ایک خط میں مندرجہ ذیل تاثرات سے نوازا تھا انوکھ کتاب صاحب موصوف کے درجات میں نہ چھپ سکی۔

RASHTRA PATI BHAWAN

NEW DELHI

مورخہ ۱۳ ستمبر سن ۱۹۶۵ء

مکرمی تسلیم

نوازش نامہ ملا۔ اور سامنے ہی مراجمہ دیوان غالب کامسودہ بھی۔ اور آپ کی شائع شدہ نظموں کا مجموعہ بھی۔ ان سب کے لئے دلی شکریہ قبول فرمائیں۔

غالب کی زمین میں مراجمہ اور طنزیہ اشعار کا یہ دیوان یقیناً ادبی دنیا کے لئے ایک انوکھا تحفہ ہو گا۔ گو کہ میں شعر و شاعری کے معاملہ میں اپنے گورائے دینے کا مستحق نہیں سمجھتا لیکن آناضہ در کہوں گا کہ آپ کی یہ کوشش بہت کامیاب ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا یہ مراجمہ کلام مقبولیت حاصل کرے گا۔

مخلص

ذاکر حسین



اندازِ بیاں اور اس کے متعلق احمد جمال پاشا مرحوم کے تاثرات ۔  
 دیوان غالب کی پیروڈی ہاشم عظیم آبادی کا ایک ہتھم پاشا کا نامہ  
 ہے۔ اندازِ بیاں اور کامیابی نے نہایت دلچسپی اور گہرائی سے مطالعہ کیا جس کی بنا  
 پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اندازِ بیاں اور غالبیات کے باب میں ایک خوشگوار اضافہ ہے  
 غالب نے اپنے زمانہ کو اپنے مسائل کی عینک سے دیکھا تھا اور ہاشم عظیم آبادی  
 نے غالب کو اس زمانہ کے چشمہ سے دیکھا ہے۔ اس دورنگی نے طنز و مزاح کی جو خوشگوار  
 کیفیت پیدا کر دی ہے وہ اردو پیروڈی کے باب میں مستقل اضافے کی حیثیت رکھتی ہے  
 یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جو ہمیشہ مزاجیہ شاعری اور تحریف کی تاریخ میں ہاشم عظیم آبادی کو  
 زندہ رکھے گا۔

اندازِ بیاں اور پڑھ کر شاہ قیصر دانا پوری نے ایک خط تحریر کیا تھا جس کا اقتباس  
 درج ذیل ہے ....

..... اب تک جتنے مزاجیہ دیوان بہار میں چھپے ہیں وہ ایک طرف اور آپ کا  
 یہ اندازِ بیاں اور ایک طرف تو اسی کا پلہ زیادہ بھاری رہے گا۔ بلکہ میں یہ کہنے پر مجبور ہوں  
 کہ یہ دیوان اپنے رنگ کا واحد اور منفرد ہے۔ بار بار پڑھتا ہوں اور سیری نہیں ہوتی  
 مزاجیہ اور طنزیہ دیوان ہزاروں ہوں گے۔ مگر آپ کے دیوان کو نہیں پاسکتے۔ اس لئے کہ یہ  
 ایک عجیب چیز ہو گئی ہے۔ ورنہ یہ سبھی عام دیوان کی طرح ہو کر رہ جاتا۔ یہ سہرا آپ ہی کیلئے  
 تھا۔ اور آپ ہی کے سرمہ آپ ہی کے سر چڑھا۔

ایں سعادت بہ زور بازو نیست

تا نہ بخشد خدا لے بخشنده

مشہور ناقد پروفیسر عبدالمغنی نے بھی میری مزاجیہ تخلیق چچا اور اندازِ بیاں اور پیر

ایک تبصرہ پر قلم فرمایا۔ یہ عنوان ۔

اندازِ بیاں اور اس کے چچا تک

جناب ہاشم عظیم آبادی کافی عرصہ سے مزاح کے گل بوٹے نظم و نثر دونوں میں



کھلا ہے ہیں۔ اندازہ یہاں اور جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے غالب کی غزلیات کی زمین میں مزاجیہ تصرفات کا ایک گہرا ہے، اس تسلسل کے ساتھ غالب کی اتنی ساری غزلوں کے اشعار کی تطبیق کسی دوسرے شاعر سے نہیں کی ہے۔ حالی نے جو غالب کو جو ان ناطق کہا ہے وہ جس معنی میں ہو لیکن ہاشم عظیم آبادی نے واقعی کلام غالب کے شعلوں سے طراقت کی شمعیں روشن کی ہیں۔ زیر نظر مجموعہ میں انھوں نے ۲۳۷ اشعار غالب پر گہرہن لگا کر اتنی ہی غزلیں اپنے مخصوص پر مذاق انداز میں کہی ہیں۔ ان غزلوں میں شاعر نے عہد حاضر کے مسائل پر دلچسپ تبصرے کئے ہیں۔ ہاشم کے ان ظریفانہ اشعار کو پڑھ کر کبھی تبسم اور کبھی قہقہے کی پھول جھڑی چھوکتی ہے ان میں شوخی بھی ہے گستاخی اور تفریح بھی غالب کی مشہور غزل کے مطلع نکتہ میں ہے۔۔۔۔۔ کے تعاقب میں جو غزل کہی گئی ہے اس کے دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

کیا کہیں ایسی ہے کمزور بھارت اپنی !

وہ اشارے سے بلکے بھی توجہ دینے

یہ بھی قسمت کی سیاہی کہ لیلے اپنی

اتنی کالی ہے کہ کاجل بھی لگائے نہ تے

مزاجیہ خاکے چچا کے بارے میں عید المنعمی صاحب آگے لکھتے ہیں۔ چچا مزاجیہ خاکوں کا ایک مجموعہ ہے جو ایک ہی کردار کی مفروضہ شخصیت کے توجہ توجہ پیش کرتا ہے جن میں ہر ایک اپنی مخصوص دلچسپی اور لطف کا انداز رکھتا ہے چچا کی چند مصرعویات یا کارگزاریاں ملاحظہ ہوں۔

چچا نے بازی لگائی۔ چچا نے سینا دیکھا۔ چچا نے عشق کیا۔ چچا نے ریڈیو خریدا۔ چچا

نے لائٹری لگائی۔ چچا مرید ہوئے۔ چچا نے افطار کر لیا۔۔۔۔۔ اس طرح کے ۵۲ حرکات درج ہیں

جب کہ ان کے بعد ان کا آخری کام دوستوں نے انجام دیا۔ جب چچا کا انتقال پیر ملال ہو گیا۔ ممکن ہے ہاشم عظیم آبادی کے سامنے مشہور مزاجیہ کردار "چچا چھکن رہا ہوں مگر اس نمونے کو پھیلا کر انھوں نے جس طرح ایک پر مذاق کردار کی پوری سوانح مرتب کر دی ہے

وہ اسٹین کام ہے۔ اس معاملہ میں ان کا موازنہ امریکی مزاحیہ نگار مارک ٹوئن سے کیا جاسکتا ہے۔  
 بتینا چچا کو کر با شتم صاحب نے اردو کے مزاحیہ انساوی ادب میں ایک لافانی کردار عطا کیا  
 ہے اور اس طرح وہ عظیم گیب چنٹائی، انجم مانپوری اور شوکت تھانوی کے صف میں آگئے ہیں۔

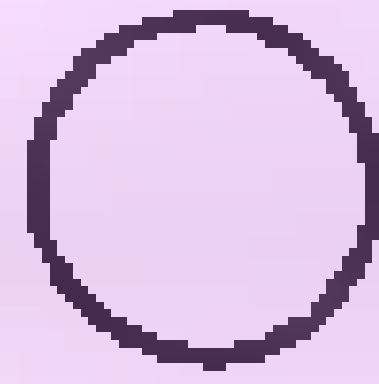
جناب غلام سرور (جو اس وقت وزیر تعلیم رہا کرتے) انداز بیاں اور نظم ایک بھرہ سپرد  
 قلم فرمایا تھا یہ عنوان طرز غالب میں شاعری کرتا۔ اس کا آئینا اس درجہ ذیل ہے۔  
 ..... اگلے جیب میرزا یہ کہتے ہیں کہ بون تو دنیا میں ایک سے ایک اور تھے  
 سے بچے سخنور موجود ہیں لیکن غالب کا انداز بیاں ہی اور ہے تو ہیں اس حقیقت کا اعتراف  
 کرنا ہی پڑتا ہے یہی ان کا طرہ امتیاز ہے۔ یہی ان کو شاعروں کی صف میں ممتاز اور منفرد  
 بناتا ہے۔

ایسی صورت میں طرز غالب میں شاعری کرنا دیربا ہی ہے جیسے سورج کو چراغ  
 دکھانا۔ مگر سورج کو چراغ دکھانا ایک بات ہے اور سورج کی روشنی منبہا گرمی اور حرارت  
 سے اپنا ایک چراغ روشن کرتا۔ دوسری بات ہے۔ چاند کی روشنی بھی اس کی اپنی نہیں  
 ہوتی۔ وہ تو مانگے کی روشنی ہے اور سورج کی مرہون منت ہے۔ اس کے باوجود ماہ  
 تارباں کا حسن۔ اسی کی چاندنی اور کشش اپنی ایک جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔

اس پہلو کو سامنے رکھ کر گوہر ہاشم عظیم آبادی کا انداز بیاں اور دیکھیں اور  
 لکے پر لکھنے کی کوشش کریں تو ہیں ان کی کاوش اور سعی کی داد دینی پڑے گی۔ ہاشم عظیم آبادی  
 شاعر ہیں۔ عظیم آباد کے رہنے والے ہیں۔ اور کہنے مشق شاعر ہیں۔ ان کے کلام میں پختگی ہے  
 اور انداز میں تنوع ہے۔ ہاشم عظیم آبادی سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو چکے ہیں۔ کچھلے  
 کئی برسوں میں غالب کی غزلوں اور ان کے اشعار کی تصنیف میں لگ بھگ ڈھائی سو غزلیں  
 کہہ ڈالی ہیں۔ جو ملک کے اردو روزناموں، ماہ ناموں اور اخبارات اور رسائل میں  
 برابر جگہ پاتی رہی ہیں۔ اور ادب تو اس سخن فہم ستون سے داد وصول کرتی رہی ہیں۔ ایک



تو غزل اور وہ بھی طسریہ اور مزاحیہ اور کچھ طرہ یہ ہے کہ غالب کی زمین میں غزل کہہ لیتا ہی  
 بڑے حصے کا کام ہے اور ہاشم صاحب نے ہمت سے کام لے کر یہ بہ کا نامہ انجام دے  
 ہی دیا ہے۔ بلاشبہ یہ اردو کی ادبی اور شعری دنیا کے لئے ایک الٹا تحفہ ہے۔



## مصنف کی تصانیف

- ۱۔ اندازیاں اور غالب کی زمین میں مزاحیہ غزلوں کا دیوان
- ۲۔ کافر نہیں مزاحیہ خاکے
- ۳۔ چچا مزاحیہ خاکے
- ۴۔ غالب کے خطوط عالم بال سے - ہاشم عظیم آبادی کے نام
- ۵۔ چند شعرا سے ملاقاتیں
- ۶۔ بخش و تماشاک

ملنے کا پتہ: مکتبہ آزاد کلزار بارش پٹنہ ۸۰۰۰۰۰





اور پھر نیشن کے لئے کاغذات تیار کرنے میں سر منتر نے اس کے بعد متعلقہ دفتر میں سپردی اور خوشامد میں دوڑتے دوڑتے ناک ہی دم۔ اگر ملازمت کے دوران دست غیب کی بھی گنجائش رہی ہو تو اس کی یادیں ہر وقت ایک ٹیس سی جگر میں اکٹھی رہتی ہے۔

ریٹائرمنٹ اپنے ساتھ ایک انقلاب عظیم لے کر آیا ہے۔ دورانِ برسرِ صبح دوسرے ہواخوری کو نکل گئے۔ پواق و جو بند ہو کر لوٹے تو شوٹنگ اور باؤنگ کے بعد اخبار پڑھنے بیٹھ گئے۔ اگر دفتر سے ضروری قائل لینے آئے تو اس کے پٹا سے میں لگ گئے۔ اس دوران گھر والی نے دسترخوان پر کھانا رکھ دیا تو شکم سیری کے بعد ٹفن ساتھ لے کر سائیکل کی گھنٹی بجاتے اور بچوں کو ٹانگتے ہوئے دفتر کو سدھارے۔ جہاں ہنچے تک خوب مشغولیت رہی۔ اور پھر گھر آئے پر بھی مشغولیت ہی مشغولیت۔ لیکن ریٹائرمنٹ کا پروا نہ ملتا ہی نہ وہ صبح خیزی رہتی ہے اور نہ وہ چاکلادستی۔ اور نہ شیو کرتے جلدی اور نہ غسل سے تاریخ ہونے کی غفلت۔ تو بچنے کو آئے ہیں مگر بابو صاحب ہیں کہ پلنگ پر پڑے اینڈ رہے ہیں۔۔۔۔۔ اب سگریٹ کہاں! بس بیٹری پر بیٹری سپورٹ کے بارے ہیں۔۔۔۔۔ تب دیکھتے دیکھتے گھر والی سے نہ رہا گیا تو اس نے پچکارا۔ کہتے تو سمجھلا۔ گھر میں سیری تک نہیں۔ راشن کارڈ ٹنگوڑا پڑا ہے۔ کوئی پستی لانے والا نہیں۔ فیصہ جھاڑو ماری بخار سے بچھا ہوا ہے اور یہ ہیں کہ بستر پر پڑے کروٹیں بدل رہے ہیں۔ میں کہتی ہوں اب بھی تو اسٹینڈے۔ آخر میرے بچے کو آسن جال ہے کہ نہیں۔ اور پھر سے کو اسکول بھی تو پہنچانا ہے آپ کو۔۔۔۔۔ کیجئے یہ رہا جھولا۔ لپک کر ہاٹ سے نہ کارڈ لے آئیں اور منے کو اسکول چھوڑ کر حکیم لقمان کے یہاں سے میرے کلیجہ کے درد کی دوا ڈالنا نہ بھولے گا۔ کل بھی منے کو اسکول پہنچانے میں آپ نے اس قدر دیر کر دی کہ نہ گھنٹوں لگ گئی تھئی۔۔۔۔۔ سٹیک ہی تو آپ کا بڑا لڑکا کہتا ہے کہ ریٹائرمنٹ کے بعد سے اب بالکل سٹیا گئے ہیں ذمہ داری کا تو ذرا احساس ہی نہیں۔ پتہ نہیں دفتر میں کیسے کام کرتے تھے۔

ریٹائرمنٹ کے بعد اگر کوئی اور سچا سننے لگے یا پیٹ بہاڑا جاوے تو یہ اس

پر خدا کی خاص رحمت ہے کیونکہ گھر والوں کی ایسی ایسی کٹی اور پتھر پھوڑ باتیں سننے میں آئیں گی کہ اگر قصداً بہرہ نہ بنا ملے تو زندگی تلخ ہو جائے۔

ریٹائرڈ شخص کے نسب و روتہ پیش کے تصور میں گزر رہے ہیں۔ ہر ماہ کا دورہ یہ تاریخ کیا رحمت آجی رہی تو پیدل ہی چل پڑے۔ اور اگر اس لائق نہ ہے تو اس پر ریٹائرڈ کی جتنی ادراپہ کا غلبہ پیش کر کے باہر رکھے ہوئے پرغیر بیٹھ کر نہ پائے وقت۔ ابام گذشتہ پر تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ ان کو کوئی مطلب نہیں شام کو تھکے ماندے پیش کے پیسے جیب میں یہ حفاظت نہ رکھتے لوگ تو ان کا اس طرح استقبال کیا جاتا ہے کہ کیا کسی لیڈر کا ایسا واکٹ ہونا۔

ریٹائرڈ افراد کی وقت کاٹنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ آخر وہ عریب صحیح سے سامنا کرے تو کیا۔ اور اخبار و رسائل پڑھے تو کہاں تک اور پھر پیش کیسے سے احتجاج کر پڑے۔ مٹا بھی تو اس قدر خرچی کے رہیں آتا ہے وہ پیسے اگر نالی پوتوں کی ناز برداری میں خرچ ہوں تو ہورانی کی نظر میں قدر و قیمت بھی بڑھے۔ اور جب ہورانی شور کے لئے کوئی اچھی چیز رکھیں تو بڑھے باوا کو فراموش نہ کریں۔ درنہ غیر کی جتنی کوشش کے باپ سے کیا غرض۔

اگر وقت رزاری کے خباکتہ کسی کے یہاں گپ شپ کے لئے چلیے۔ تو چند دن تک تو معاملہ ٹھیک رہا۔ لیکن بے کاروں کا کوئی کب تک ساتھ دے سکتا ہے۔ آخر ایک دن صاحب خانہ کو دہلی زبان سے کہنا ہی پڑتا ہے کہ آپ کی ہر روز نشستہ لپ سے میری دلچسپی تو نہ رہ رہ جاتی ہے لیکن المیہ کا کہنا ہے کہ اس طرح بیچو نہ کی بھائی پتہ شراب اثر پڑ رہا ہے۔۔۔ لیکن کس خونخواری سے پتہ کر۔

اگر کسی کے خیال نہ جا کر گھڑی میں چمکے رہے تو اس پر کتنی مہین کسر دانی نعت دیں۔ یہ کیا جیب دیکھو اتنی کھوئی سے پڑے ہیں اور یہ بھی خیال نہیں کہ اللہ رکھے بنا رہا رہیں گے کہ اندر ہیں۔۔۔۔۔ آخر ان کو سمجھ تو آزادی کے



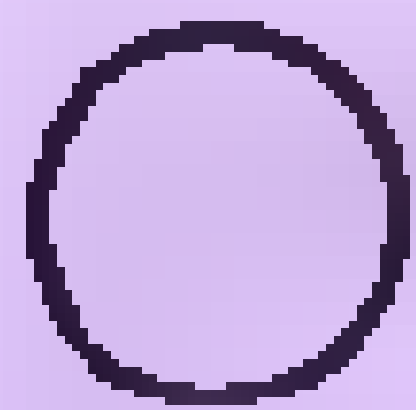
ساتھ چلتے پھرنے کا موقع ملے ۔

اگر صبح کی نماز کے بعد ذرا قرأت کے ساتھ تلاوت کیجئے تو عبادت مند بیٹے انہماز مارا فکری کرتے ہوئے کہیں ۔ بازا جان ۔ اتنی بلند آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کیوں کرتے ہیں کہ ہم لوگوں کی نیند میں خلل پڑے ۔ ایسا حق تو کسی مسجد میں چلے جایا کریں ۔

اسی طرح اگر کسی روز ریٹائرڈ دادا اپنے پوتے کو گود میں بیٹھائی ۔ دی کے پاس بیٹھ جائیں تو بہو رانی چھمک کر سانس لے لیں ۔ دادا تو ایسا بے وقت لٹی دی کے پاس آکر بیٹھ جاتے ہیں کہ ہم لوگوں کا چتر پار ویکنا دشوار ہو جاتا ہے ۔ سانس جواب دیں گی ۔ ارے کیا کرو گی بہو ۔ بڑھاپے میں آدمی سچیا ہی جانتا ہے اور یہ تو ریٹائرڈ ہونے کے بعد سے کچھ شبلی ایسا بھی لگ رہے ہیں ۔

مختصر یہ کہ ایک ریٹائرڈ شخص مدفاصل بن کر رہ جاتا ہے اس کے مرنے کے بعد اس کے ذالبتگان ٹھنڈی سانس لے کر کہتے ہیں ۔

خس کم جیان پاک



## میر صاحب کی شیردانی

میر صاحب مرحوم، خدا فرقی رحمت کرے برسوں گزر گئے انتقال کیے  
لیکن اب بھی جب ان کا تذکرہ آجاتا ہے تو اُن سے والبتہ یادیں سینما کی تصاویر کی  
طرح سامنے آنے لگتی ہیں۔ بہت ہی پرانی وضع قطع کے آدمی تھے۔ وصعداری  
ایسی کہ ایک راہ جو اختیار کرنی تو اسی پر ہمیشہ گامزن رہے۔

میر صاحب کو جب میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا تو اس وقت ان کی عمر تیرہ سال  
سے کم نہ ہو گی لمبا قد۔ دسویں بڑی۔ گورا رنگ آنکھوں پر آتش شیشے کا موٹا چشمہ  
اور کندھے پر ایک تولیہ جس سے بار بار منہ پونچھتے یا اپنی پیوندگی شیردانی کی گرد  
بٹارتے۔

میر صاحب داد مرحوم کے خاص دوستوں میں تھے۔ میر صاحب سے اُن کو  
اس قدر انس تھا کہ اگر کسی دن مقررہ وقت پر وہ نہ آتے تو دادا جان مرحوم بچپن  
سوکریا کے مہن میں ٹھہرنے لگتے اور جب انتظار کی گھڑی طویل ہو جاتی تو دادا مرحوم  
اپنے مائتہم امای کو میر صاحب کے گھر دوڑا دیتے۔۔۔ اور امای کے پیچھے گلہاں بڑا کر  
ویسے میر صاحب یہ بہت ساری ایسی خوبیاں کھلی تھیں جو ان کی شہرت کا  
باعث ہو سکتی تھیں۔ لیکن ان سب سے قطع نظر میر صاحب کی شہرت اُن کی شہرہ حال  
شیردانی کی وجہ سے خاص طور پر کھتی رہی وہ ہر وقت پہننے رہتے۔

میر صاحب کی شیردانی میں لگے ہوئے پیوند میں سے جب کوئی پیوند اپنے  
ساتھیوں سے بچھڑ کر ان کے کلیجہ پر مونگ دل جاتا تو وہ فوراً خلیفہ جی کے یہاں  
پہنچ جاتے۔ خلیفہ جی کسی کاکہک کے چائے پیٹ کا ایک ٹکڑا کھا کر شیردانی میں



چسپاں کر دیتے۔ حالانکہ پیوند لگاتے لگاتے محلہ کے سارے درزی تنگ آ گئے تھے بعض درزی تو میر صاحب پر نظر پڑتے ہی لاجول پڑھ کر کترانے لگتے۔ ان کی شیردانی کا کیر اس قدر خستہ اور بوسیدہ ہو گیا تھا کہ اگر اس میں ایک ٹانکا لگایا جاتا تو دس ٹانگے کھل جاتے۔ محلہ کے کئی درزی ایسے بھی تھے جو کمسنی سے میر صاحب کی شیردانی میں پیوند لگاتے لگاتے ناتی اور پوتے والے بھی ہو گئے تھے۔

یہ شیروانی میر صاحب کو ان کے دادا نے مرتے کے ایک ہفتہ قبل درازئی  
عمر کی دغاؤں کے ساتھ عطا کی تھی۔ ویسے مرحوم ہی کے وقت سے اس میں پیوند  
لگنے شروع ہو گئے تھے لیکن میر صاحب کے کثرت استعمال سے شاید ہی کوئی ہفتہ  
ایسا گزرتا جب شیروانی میں دو ایک سیپتک کا اضافہ ہوتا ہو۔

میر صاحب کو یہ شیر والی اس قدر عزیز تھی کہ اُسے ہر وقت زینب تنہا کے  
ساتھ رات کو جب بستر پہ جاتے تو اُسے خوب اچھی طرح تہہ کر کے تکبہ کے نیچے رکھ  
دیتے۔ شب میں کسی وقت نیند لڑتی تو ٹوٹل کر دیکھ لیتے کہ شیر والی محفوظ ہے  
میر صاحب فطال بال میح دیکھنے کے بہت شائق تھے۔ شاید ہی کوئی ایسا  
بیچ ہو تا جس میں میر صاحب شیر والی میں ملبوس نظر نہ آتے۔ پتہ نہیں کس سحر نے  
یسے پر کی اڑادی تھی کہ میر صاحب شیر والی پہننے ہوئے جس ٹیم کی طرف کھڑے ہو  
جاتے ہیں اس کی بیت لامی ہے۔ لہذا ہر ٹیم کی یہ خواہش ہوتی کہ میر صاحب اسی کے  
سانڈ میں کھڑے ہوں..... تو صورت حال یہ ہوتی کہ میر صاحب کو دیکھتے ہی دونوں  
ٹیمنے کیپٹن ان کا ایک ایک ہانڈیکاٹر کرا اپنی طرف کیپٹے۔ اس رشتہ کشی میں میر صاحب  
کی درگت بننے کے ساتھ ان کی شیر والی کے پیوند و چار اعتماد ضرور رہتا تھا۔

میرے شدید حالات کے دنوں میں صاحبِ بی بی تمہارے داری کے خزانے انجام دے رہے تھے کبھی تولیہ سے پیر میں جھامادیتے کبھی سٹھرمایٹر لگا کر دیکھتے تو کبھی اپنی شیردانی کے دامن سے پنکھے کا کام لے کر میرے سٹھرموادیتے اس دوران بخار میں کمی کے آثار دیکھ کر دادا جان نے اسے میرے صاحب کی شیردانی کا کرشمہ سمجھا۔ اور

انکی شیردانی اترا کر مجھے اڑھا دی۔ بخار کو مدت معیار پوری کر کے اتنا ہی ست  
لیکن دادا کے اس حسن ظن سے میرا صاحب کی شیردانی کی اس قدر شہرت  
ہوئی کہ محلہ اور اس کے قریب و جوار میں جو کبھی بیمار پڑتا تو اس کے اعتراف میں کو  
- لکریہ صاحب کے یہاں پہنچ جاتے۔ اور جب تک شیردانی کا ایکسٹرا قویانہ  
کے طور پر جان نہ کر لیتے اب کا پتہ چھوڑتے۔

میرے صاحب کا مکان ہے کسی زمانہ میں خوش حال رہے ہوں۔ لیکن اس عالم پیری  
میں بہت تنگ دست ہو گئے تھے۔ سنتے ہیں جوانی میں ایون کھانے اور چکی لگانے  
کے باعث کسی کام کے نہ رہے۔ گھر میں جو کچھ بھی تھا اسی کے سہارے نہ زندگی گزارتے  
تھے۔ مگر جب فروخت کرتے کے لئے کچھ بھی باقی نہ رہا تو ندانے ان کی خستہ  
حال شیردانی کو حصول رزق کا ایسا ذریعہ بنا دیا کہ میرا صاحب بغیر ہاتھ پیر بلے وال  
روٹی میں خوش تھے۔

میرے صاحب کی اس کراماتی شیردانی سے اکول و کایع کے طلباء بھی مستفید ہوتے  
وہ بھی ان کی شیردانی کا دعا گاہے ہیں لہذا کائے پڑھتے لکھتے بے نیاز میرے پاس  
میں ڈال دیتے۔ لیکن جب عنوان کا نتیجہ لگتا تو سر پیٹا کر رہ جاتے  
شہور ہے کہ عقد کے روز میرا صاحب اپنی وہی پیوند لگی ہوئی شیردانی پہنے کھڑے  
ہے اندر سے اور سند پر آکر بیٹھے تو لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ اور جب عقد  
کے وقت سسرالی شیردانی پہننے کو کہا گیا تو میرے صاحب سے کی لڑیاں کرے  
پیدا کیا رات واپس لے جانے کو اسٹھ کھڑے ہوئے۔ مجبوراً میرا صاحب کی عقد کے  
لوگوں کے ہونے والے حق کو چھلکا ہی پڑا۔ اور میرا مالے سونا یہ حال شیردانی میں  
میرے صاحب کا عقد پڑھا یا۔

میرے یہاں میرا صاحب کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ مگر کاہر قدر و عزت و احترام سے پیش آتا۔ میر  
صاحب کے تشریف لانے پر جب میں احترام ادا کرتے ہو کر سلام کرتا تو وہ میرے سر پر ہاتھ پھیر کر دعاؤں  
ریتے۔ اگر دادا جان بیٹھک میں نہ ہوتے تو مجھے اپنے پاس بیٹھا کر یہاں بچو اسنے باکاپی پر شیردانی شیردانی  
بلی عزت میں لکھواتے۔ اگر دادا میں لازم کو قدر و منزلت رہتی تو اس سے شیردانی میں لگے پیوندوں کی گفتی

کراتے۔ یا پھر اس میں پتہ گزیریں کھٹماؤں کے قتل عام کا منظر دیکھتے۔

یہ سب گھر کے اندر صرف گلیہار بڑا ہی ایسی مہنتی تھیں جن کو میر صاحب کے نام اور ان کی صورت سے نفرت تھی۔ وہ انہیں میر صاحب نہ کہہ کر شیر والی والا بڑھا کہا کرتیں۔ اور شاید اسی جذبہ نفرت کے تحت گلیہار بڑا نے ایک دن پیکے سے میر صاحب کی چلنے کی پیالی میں جھال گڑھا مالدیا۔ چند ہی گھنٹوں بعد میر صاحب گھر ہی سے نکل کر خانہ سے نکل کر بیٹھتے بھی نہ پاتے کہ پھر دوڑ پڑتے گلیہار بڑا صاحب لگا رہے تھیں۔ باورچی خانہ سے نکل کر لوہیں۔ یہ شیر والی والا بڑھا ایک بار اور پھر خانہ جائے گا تو پورے پچاس چکر سو جائیں گے۔

میر صاحب کی شیر والی کا آدھے سے زیادہ حصہ تیرک اور نوبڈ کے درپر عقیدت مندوں، مرلہویوں اور ملی علموں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ بچی ہوئی شیر والی کو دوسرے دیکھ کر یہ کہتا مشکل تھا کہ یہ شیر والی پہلی کوئی عجیب شے۔ اب میر صاحب اسے بہت کم ہنستے۔ زیادہ تر اسے کانڈھے پر ڈالے رہتے۔

ایک روز صبح میر صاحب دادا جان کے روتے کی بھینانک آواز سن کر میں نے سمجھا کہ دادا جان کا انتقال ہو گیا جو ایک عرصہ سے بیمار تھیں لیکن معلوم ہوا کہ میر صاحب کا اچانک مارٹ فین ہو گیا ہے۔ جس کی اطلاع انہیں اکھی ابھی ملی ہے۔

بچہ روتے بچہ روتے کے بعد دادا جان قبرستان سے لے کر تو میر صاحب کی شیر والی تہا میں لپٹے آئے اور اسے اپنے مرحوم دوست کی تشویش کے طور پر اپنے پیروں کے بلوں میں یہ موقعاظت تمام رکھ کر گھنٹوں اس کے اوصاف بیان کرتے رہے۔

دوسرے روز صبح کو دادا جان قبرستان میں گھر لے کر آئے تھے کہ بدن نوچنے نوچتے پریشان ہو گئے۔ دیکھا گیا کہ ان کے پیروں پر سینکڑوں کھٹماؤں کی قلمی کر رہے ہیں۔ دادا جان نے جلدی سے کپڑے اتار پھینکے اور امی کو حکم دیا کہ میر صاحب کی شیر والی میرے پاس سے نکال کر کوڑے پر ڈال دے۔



# ایک گدھے کا خط دوسرے گدھے کے نام

پیارے دوست

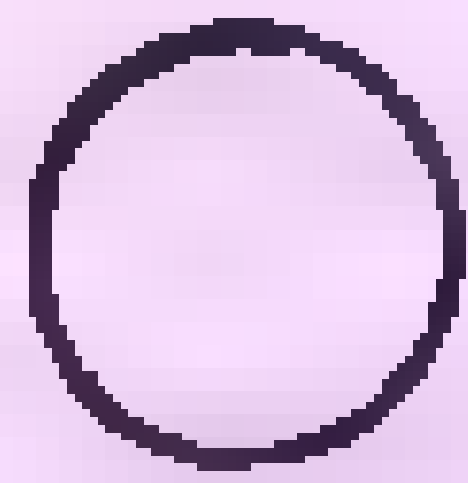
مشفق لکھوں شفیق لکھوں مہرباں لکھوں  
جیراں ہوں اپنے دوست کو انقاب کی لکھوں

پھر یہ سوچا کہ انقاب کے پھیر میں ہا تو لکھ چکا میں اور جا چکا خط۔ لہذا انقاب کے پھیرے میں نہ پڑ کر آدم برسر مطلب کے تخت مندرست خواہ ہوں کہ ایک عرصہ کے بعد یہ خط لکھ رہا ہوں۔ وہ بھی سبب کہ لقافت کی قیمت میں اخفاق ہو گیا ہے لیکن جب خط لکھنا ہی ہے تو اخفاتی قیمت برداشت کرنی ہی ہوگی۔

یہ خط نہیں ایسی حالت میں لکھ رہا ہوں جب کہ میرے دل و دماغ میں ایک غمناک ہے۔ کیوں کہ اب مجھے اپنی قوم کی زبوں حالی اور بے چارگی دیکھی نہیں جاتی۔ ویسے میں خود بھی گدھا ہی ہوں۔ لیکن اسے قدرت کی رحم نظر لینی کہو کہ میرے اندر گدھا پن کم اور احساس برتری زیادہ ہے۔ یہی احساس برتری میرے دادا آنجہانی میں بھی تھا۔ جن کی قبر کسی بزرگ کی قبر کے دھوکے میں زیارت گاہ حاصل عام بنی رہی تھی۔۔۔۔۔ دادا مرحوم کا کہنا تھا کہ گدھوں کے لئے زمانہ کبھی سازگار رہا ہے نہ رہے گا۔ اس کی خاص وجہ ہم گدھوں کا گدھا پن ہے۔ میرے لکڑ دادا مرحوم نے بھی قوم کی زبوں حالی دیکھ کر لیڈرانہ اندازہ میں تقاریر کا سلسلہ شروع کیا تھا لیکن احساس کمتری میں مثیلا گدھوں نے انھیں گیسر کی اتنی دولتیاں جھاڑیں کہ بیچارے قوم کا درد لے ہوئے شہید ہو گئے۔۔۔ تو انھیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے میں نے بھی حصول آزادی کا نعرہ لگایا اور شہر اردن ہزار گدھوں کو اپنا ہم خیال

بنا کر ایک جلوس کی شکل میں نکلا تو ہم پر لاٹھی چارج کر دیا گیا جس سے بھگدڑ مچ گئی۔ ہمارے سینکڑوں جان نیا زگدھے شہید ہوئے اور کئی حاملہ گدھیں بچل کے انتحار ہو گئے۔ اس جبرست ناک واقعہ کا خوشگوار پہلو یہ ہے کہ اب حصول آزادی کی تڑپ میں بہت اعضاء ہو گیا ہے ہمارے شعراء گدھے گل و لیل اور لب و رخسار کی فرسودہ شاعری سے منحوس ہو کر قومی اشعار کہنے لگے ہیں۔

میرے دوست تمہیں یہ سن کر مسرت ہو گی کہ بہت جلد ایک آل انڈیا گھانا کانفرنس کا انعقاد ہوتے جا رہا ہے جس میں ہماری قوم کے دانشور حصول آزادی کا پروگرام بنائیں گے۔۔۔ یہ خط بہت طویل ہو رہا ہے اس لئے اب اجازت چاہوں گا تمہاری اہلیہ کو ڈیلیوری ہونے والی کتنی۔ امید ہے خیر خونی سے ڈیلیوری ہو گئی ہو گی۔ بے بی کو بہت پیار۔ اپنی مسز کو میرا سلام عرض کر دو اور مبارکباد بھی۔



## جنت سے براد کا شنگ

آواز — میں جنت ریڈیو اسٹیشن سے بول رہا ہوں۔ ابھی ابھی آپ نے پیار و قوال اور تمنا سے قوالیاں سنیں۔ اب خبروں کا وقت ہو رہا ہے چند لمحہ انتظار کریں..... کچھ وقفہ..... اور پھر آواز..... یہ جنت ریڈیو اسٹیشن ہے۔ اب آپ خبریں سنیں۔

جنت کے فلیٹ نمبر ۲۲ سے ایک جنتی مولانا کی اچانک گمشدگی جو خبر نشر ہوئی تھی۔ اس کی تفصیل موصول ہوئی ہے۔ خبروں میں کہا گیا ہے کہ مولانا مومن پھل قدمی کرتے ہوئے گندم کے اس شجر ممنوعہ تک جا پہنچے جس کے دانے کھا کر حضرت آدم جنت سے نکلے گئے تھے۔ شامت اعمال کہ مولانا نے گھر سے ہوئے گندم کے دانے چن کر چند روٹیاں بنا لیں اور انھیں شہید کے ساتھ مناواں فرما گئے ہیں کہ چند ہی گھنٹے بعد رفق حاجت کی تلاش محسوس ہوئی مگر جنت میں ہم پولس کہاں نہ رفق حاجت کو جاتے۔ جب مولانا کی بی بی انتہا کو بیتی تو انھیں ایک سیڑی پر رائے کے ذریعہ دنیا میں بھیجا گیا۔ مولانا مومن ساکھ سے کود کر ہم پولس میں گمے۔ لیکن ذاعتک کے بعد نہ جانے کہاں روپوش ہو گئے ہیں کہ اب ان کا سراغ نہ مل سکا ہے۔

خبر ہے کہ کل سے سارے جنتیوں نے بھوکا ہڑتال کر رکھی ہے ان کا کہنا ہے کہ دودھ کی نہروں ہیں غولہ لگاتے لگاتے اور شہر کی نہروں ہیں آشی کھینے کھینے اور بکے ہیں۔ کیلا ایسی بھی کہا جنت کہ جہاں اندھا کدو نے کوتر میں آئیں کریم اور پاٹ کو دل تر پیے۔ ہاتھ کو تل نہیں۔ دبستگی کے لئے کب نہ بہت



تاچ گھر اور نہ کوئی ہوٹل ہی ایسا ہے کہ اپنی پسند کی چیزیں کھا سکیں..... ان کی یہ ہڑتال غیر معینہ مدت کی ہے۔

جیتوں کی ہڑتال اور ان کی مانگ سے متاثر ہو کر بہت سارے ملائک بھی گروہ درگروہ سڑکوں پر نعرے لگاتے پھر رہے ہیں۔ ان کا مطالبہ یہ ہے کہ جیب فلک پر ہمیشہ رہنا ہی ہے تو ہمیں ایمانزدہ دی جانے کہ ہم بھی شادیوں کر لیں ان کے ہاتھوں میں جو جھنڈے ہیں ان میں جلی حروف میں لکھا ہے یہ کیسے قسمت کے یہ سارے ہیں

جیسا ہے پیدا ہوئے کنوارے ہیں

میں طرح دینا کہ سائنس دان جاننا چاہتے ہیں کی کوشش کر رہے ہیں اور انھیں ایک حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے ٹھیک اسی طرح یہاں کے سائنس دان فرشتے راکٹوں پر اڑ رہے ہیں۔ وہ شب و روز کوشاں ہیں کہ کسی طرح عرش اعلیٰ تک رسائی ہو جائے اور اگر ممکن ہو تو اس پر قبضہ بھی کر لیا جائے۔

میرے خصوصی نامہ نگار نے اطلاع دی ہے کہ کل ایچ اے ایک حور کی جنس بدل گئی اور ایک نوخیز حور کا کسی میچلے نے اغوا کر لیا۔ اس خبر کا حسرتناک پہلو یہ ہے کہ مرض اغوا یہاں بھی آپہنچا ہے۔

خبر ہے کہ امدا اللہ خاں غالب نے سفارتہ عنوان کے نام ایک خط لکھا ہے جس میں یہ شکایت کی ہے کہ دیہہ جنت میں سب کچھ میسر ہے لیکن نہیں ہے نہ ایک بھی حجام۔ نتیجہ یہ ہے کہ واٹھی اور سسکے بال بڑھتے رہتے ہیں۔ واٹھی کی طوالت کا یہ عالم ہے کہ سونے کے وقت واٹھی اور سنائی کی طرح اوڑھ لیتا ہوا غالب مریم کی مانگ ہے کہ ایک تاجم کا جلد از جلد انتظام کیا جائے۔ یہ صورتہ دیگر کوئی ایسا پودہ ہی مل جائے جس سے چاروں ابروں کا صفایا ہو جائے۔

ترہائی کے ذریعوں کی بیڈ پر سوار ہو کر لوگ پلھراٹ پائے کیا کرتے تھے۔

لیکن اب یہ کہنے والے لوگ شاید ان میں طلب کئے ہوئے اسکرٹ اور مچھڑ پر بھی ملے ہوئے

پار کرتے ہوئے دیکھ جاتے ہیں کچھ لوگ سائیکلو پر سہی پائسرا طے گزرتے ہیں۔ لیکن اس میں خطرہ یہ ہے کہ ڈس بیلنس ہو کر اگر گرسے تو گئے سیدھے جہنم میں۔

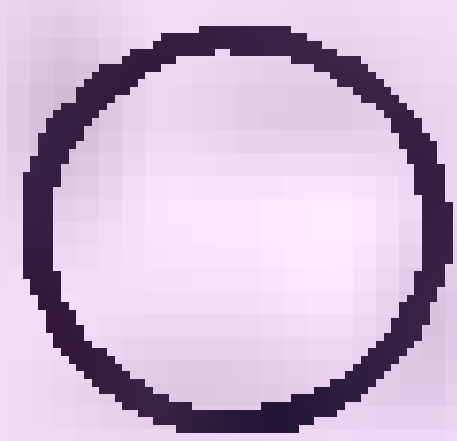
ایک دلچسپ خبر یہ موصول ہوئی ہے کہ ایک بچلا بوڑھا دنیا سے تارکا پھیرا لیتا آیا تھا جسے چکے سے اس نے جنت میں بو دیا۔ وہ بو دا بڑھتے بڑھتے سوئٹ کا ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس میں سے تارکی ٹپکنے لگی یہ دیکھ کر وہ بوڑھا ضبط نہ کر سکا۔ اور لگا چلو چلو پینے۔ اتفاق سے حضرت جبریل موٹر سے ادھر سے گزر رہے تھے۔ ان کی نظر تارکی اور بوڑھے پر پڑی جو تارکی پی کر ہلکنے کے موڈ میں تھا۔ حضرت جبریل موٹر سے اتر آئے۔ جب انھیں بوڑھے کے کروت سے واقفیت ہوئی تو انھوں نے اسے دو لاتیں بیدار کیا۔ اور ایک فرشتے کا سپہرا بیٹھا دیا تاکہ پھر کوئی تارکی نہ پی لے۔

تاخیر سے اطلاع کے مطابق فلک پر جو حشر کا مہیا رہا ہے اس میں اب دونوں وقت نہ جھاڑو پڑنے لگی ہے۔ جا بجا بے نصیب کئے جا رہے ہیں۔ پانی کا چھڑکاؤ بھی کیا جا رہا ہے۔ حوروں کو خوب بن ستور کر رہے ہیں۔ حکم مہادر عطا ہے جن حوروں کے بال سفید ہو گئے ہیں۔ انھیں خضاب کی شیشی سپلائی کی جا رہی ہے۔ غلمان کی نئی وردیاں سل رہی ہیں۔ دوزخ کے شعلے اور کھڑکائے جا رہے ہیں۔ سور کو ایک ٹیلے پر نٹ کیا جا رہا ہے یہ سرگرمی باعث تشویش ہے۔

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اب اور کس وقت حضرت امیر اقبال صہر میں پہونک مار دیں۔ اور قیامت برپا ہو جائے۔ میرے نامہ نگار نے یہ بھی اطلاع دی ہے کہ حضرت آدم اور ماما حوا کو پروردگار عالم کی طرف سے دور بین سپلائی کی گئی ہے تاکہ جنت کے فلیٹ میں بیٹھے اپنی لاتعداد اولاد کے کارنامے ملاحظہ فرمائیں۔

ابھی ابھی یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ ایک اور حور کی منس بدل گئی۔

اگر اسی تیزی سے حوروں کی جنس بدلتی رہی تو کیا عجیب ہے کہ یہ حیثیت عافاً ایک  
 دن حوروں سے خالی ہو جائے ..... خبریں ختم ہوئیں ..... اور اب  
 مرحوم جگر مراد آبادی کی غزل سماعت قریبائیں جس کا مطلع ہے ۛ  
 آئی جو اس کی یاد تو آتی حیلی گئی -





## آل انڈیا سخن تکیہ کا نفرنس

ایک وسیع پنڈال کے پھانک پر نئی حرفوں میں لکھا تھا آل انڈیا سخن تکیہ کا نفرنس۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑی جبرست ہوئی۔ اپنی توجہ کیا سخن تکیہ والے بھی اپنی الگ کانفرنس بلائے لگے تکیہ توجہ اپنی نوعیت کی ایک انوکھی اور دلچسپ کانفرنس ہوگی۔ سوچا کہیوں نہ نہ نہ نس کی کارروائی سے لطف اندوز ہوا جائے اس خیال کے تحت پنڈال کے اندر جانے کے لئے قدم بڑھایا ہی تھا کہ پیچ لگائے ہوئے ایک والینٹر نے بڑے عزم سے روکا۔ اور نہایت خشکیں انداز میں میں بولے: کیا نام یہ اچھا تھا شاید کیا نام کہ پنڈال میں دھتے چلے آ رہے ہیں تو کیا نام اگر آپ ڈی گیٹ ہیں تو کیا نام دکھلائیں اپنا شناختی کارڈ۔ ان کی اس پھسکار سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ضرور یہ کانفرنس صرف سخن تکیہ سے ذوق رکھنے والوں کے لئے مخصوص ہے۔ لہذا جب والینٹر صاحب اتنی ساری باتیں کہہ کر سانس لینے کو رکے تھکتے کہ اکھیں کے سخن تکیہ کی نقل اتار دیتے ہوئے میں نے جواباً عرض کیا کیا نام آپ نے یہ کیسے قیاس کر لیا کیا نام کہ میں سخن تکیہ بدلتا رہا ہوں۔ اور کیا نام اگر میں اپنا شناختی کارڈ کیا نام بھول آیا ہوں تو کیا نام میں کانفرنس میں شریک ہو رہا ہوں نہیں سکتا۔۔۔ اس کے ساتھ ہی والینٹر صاحب کو پرے ڈھکیلا اور پنڈال کے اندر داخل ہو گیا۔ اور وہ حضرت کیا نام کیا نام کی رٹا لگاتے رہا ہے۔

کانفرنس کے لئے متعینہ وقت سے ایک گھنٹہ بعد ایک خمیرہ کمرنگ مائیک پر تشہیب لائے اور مائیک پکڑ کر زور زور سے ہیلو ہیلو کہہ کر بولے۔۔۔

میں نے انہیں دیکھا کہ کافر ذی کاروائی بہستانِ نیر سے شروع ہوئے جاری  
ہے ایسی کی تہی۔ جس کے لئے حذرِ تنخواہ ہوں ایسی کی تہی۔ مگر لیجئے۔ ایسا انتظار  
کی کھڑی ختم ہوئی اور کافر نس کی یا صابطہ کاروائی شروع کر کے قیل و قیل کا  
انتخاب عمل میں لانا ہے ایسا کی تہی۔ لیکن ہمدارست کے لئے کسی کا نام پیش کرنے  
کی جھنجھٹ میں نہ پڑ کر خود اپنا ہی نام پیش کر رہا ہوں ایسی کی تہی اس یقین کے  
ساتھ کہ آپ سب ہی حضرات میری اس گستاخی کی تابندہ فرمائیں گے ایسی کی تہی۔  
اما بعد۔ حاضرین کافر نس آپ واقف ہیں کہ یہ آل انڈیا سخن تکیہ  
کافر نس صرف ان حضرات کی کافر نس ہے جو سخن تکیہ سے ذوق رکھتے ہیں ایسی  
کی تہی۔۔۔۔۔ یہ مقام سرست ہے کہ آج ہم ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر کھائی  
چارہ گی اور ایکٹا کا ثبوت دے رہے ہیں ایسی کی تہی۔ میں یہ بھی بتا دوں کہ یہ  
اس خاکسار ہی کی انتہائی کوشش اور زنگ و در کا نتیجہ ہے کہ یہ روزِ سفید دیکھ  
رہے ہیں کہ پیڑاں میں تل دھرتے کی جگہ نہیں ایسی کی تہی۔۔۔۔۔ تو آپ  
کافر نس کی یا صابطہ کاروائی شروع کرتے ہوئے جناب دھرتی دھمک سے  
گزارش کر رہا ہوں کہ وہ اپنے خیالات میں سے حاضرین کو نوازیں۔ ایسی کی تہی۔  
جناب دھرتی دھمک ماکہ پر تشریف لائے۔ بہترین سوٹ میں میونس  
کوئٹن کمائی کا شیشہ لگائے، ریشمی رد مال سے منہ پونچھ کر اٹھوں تے یوں لکائی  
فرمائی۔۔۔۔۔ جناب صدر کی یہ غایت کرم فرمائی ہے کہ اس خاکسار کو جو سو سو  
سے پہلے تقریر کا موقع دے کر جو سو سو میری عزت افزائی فرمائی۔۔۔۔۔  
... لہذا آدم بر سرِ مطلب کے تخت جو سو سو ہو یہ عرض کروں گا جو سو سو کہ اس طرح  
کی آل انڈیا سخن تکتہ کافر نس بالسنے کی اشد ہمدارست سختی جو سو سو ہو اس کی کسی  
کی خاتہ پڑی کر کے جناب صدر نے ایک کارِ عظیم انجام دیا ہے جس کیلئے  
وہ لائقِ مبارک باد ہیں جو سو سو ہو۔ اس کافر نس میں سر جو پڑ کر ہیں سخن تکیہ والوں  
کی آئینوں پر غور کرنا ہے اور انہیں سلجھانے کی راہ ہموار کرنی ہے جو سو سو ہو

بھوکھماری تضحیک اور کیا ہو سکتی ہے بھلا کہ سخن تکبہ آئینز باتیں سن کر لوگ کمر لے  
 ہیں۔ ہنستے ہیں قہقہے لگاتے ہیں جو ہو ہو ہو۔ الہ کے ان ناپسندیدہ حرکات سے آنے  
 والا دو چار ہو کر تم سارے سخن تکبہ ہولڈر احساس کمتری میں مبتلا رہتے ہیں جو ہو ہو ہو  
 صرف یہی نہیں بلکہ ہم بھی ایسے حضرات اپنی سسرال میں دلچسپ کھلوتا بن کر رہ جاتے  
 ہیں جو ہو ہو ہو۔ دوستوں سارے تو خیر سارے ہی کھڑے سالیان بھی سخن تکبہ کی نگلیں  
 اتار آ کر ہمارا جینا دو بھر کر دیتی ہیں۔ اور ستم بالائے نغم یہ کہ قبیلہ حشر کے  
 علاوہ خوشنارامن صاحبہ بھی جو ہو ہو ہو پس آچل مکرانے سے باز نہیں آتیں۔ ان حالات  
 کے تحت میری پرزور گزارش ہے کہ ایک ایسا ریزہ دلشن پاس کیا جائے کہ  
 کوئی ہمارے سخن تکبہ اور ہمارا طرز گفتگو کا مذاق اڑانے کی حیرات نہ کر سکے  
 جو ہو ہو ہو۔ اگر ایسا کوئی ریزہ دلشن پاس نہ کیا گیا تو جان لیں بھائیو کہ وہ دن دور  
 نہیں جو ہو ہو ہو کہ ہمارا سڑکوں پر نکلنا کسی سے باتیں کرنا بلکہ سسرال جانا دشوار  
 ہو جائے گا۔ جو ہو ہو ہو۔ ویسے اکثر حضرات کا یہ مشورہ ہے کہ بھوں نہیں اس دشواری  
 پر تالو پانے کے لئے سخن تکبہ ہی ترک کر دیا جائے۔ جو ہو ہو ہو۔ کہنے تو بھلا کسی  
 کی تضحیک کے ڈر سے ہم اپنا پسند سخن تکبہ ترک کر دیں۔ ناممکن بعید از قیاس جو  
 ہو ہو ہو۔ میں اس بھرے پیڑال میں یہ بانگ دہل کہتا ہوں کہ مرتے دم تک اپنے  
 طرز سخن پر قائم رہوں گا جو ہو ہو ہو۔ اور اسی طرح کا عزم معہم پیڑال میں موجود بھی  
 سخن تکبہ ہولڈر بھی کریں جو ہو ہو ہو۔

اور اب بیرون صوبہ سے نشریات لائے حضرت ستارہ آسمانی اظہار حنیال  
 فرمائیں ایسی کی تیسری۔ جناب صدر نے آواز دی۔

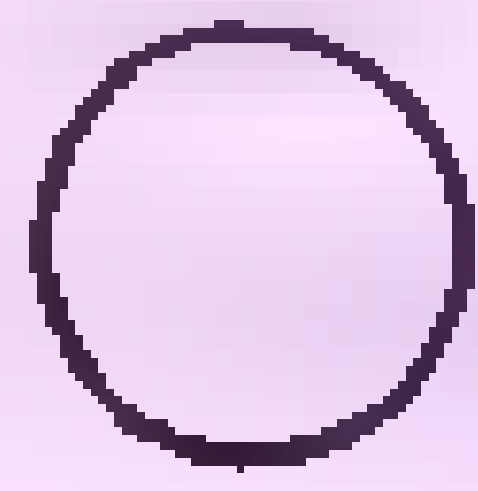
حضرت ستارہ آسمانی اپنے بھاری بھر کم سخن تکبہ کے ساتھ ڈانس پر قدم  
 رنجہ فرماتے ہی بولے۔۔۔ حاضرین کا نفرین سمجھا کہ نہیں حلفت میں مختلف امر اس  
 میں مبتلا۔۔۔ ہنر کے باوجود اس کا نفرین کے انتقاد کا مردہ سنتے ہی دوڑا چلا آ رہا ہوں  
 سمجھا کہ نہیں حلفت لیکن اپنی گرتی ہو محنت اور نقاہت کے باوجود ممکن ہے دینک







سے ناراض ہوں آپ کے منہ میں .... لیجئے۔ یہ کہنا تھا کہ جناب صدر نے اسی  
 کی تہی کہتے ہوئے میری گردن تاپی۔ ان سے گلہ خلاصی کے لئے دراؤں پر لا کر انہیں  
 ایسا دھویا پاٹ مارا کہ وہ ڈالس کی نیچے چاروں ٹائٹ چیتا گرے اور قتل اس  
 کے کہ دوسرے افراد کا نفرین مجھ پر ٹوٹ پڑیں میں نے راہ قرار اختیار کی ورنہ آل  
 انڈیا کون تکیہ کا نفرین میں میرا یہ مذاق بہت ہنگام پڑتا۔





## قالبض ارواح کی التجا بارگاہ رب العزت میں

خداوند!۔ روح قبض کرنے کی چوڑی بوتلی میرے سپرد ہے اُسے انتہائی  
میانگشتانی۔ محنت لگن اور خوش املوئی کے ساتھ انجام دیتا آ رہا ہوں۔ اس فرصت  
کی ادائیگی پر شاید ہی مجھ سے کبھی ایسی سچول ہوئی ہو جو تاہل گرفت ہو لیکن اب  
سے بہت پہلے نہ تو دنیا کی تنہی پیر آبادی۔ کتنی اور نہ شرح اموات میں یہ تیز  
رفتاری کتنی نتیجہ پسہ کہ میرا کام اس قدر بڑھ گیا ہے کہ دم مارنے کی فرصت  
نہیں رہتی۔

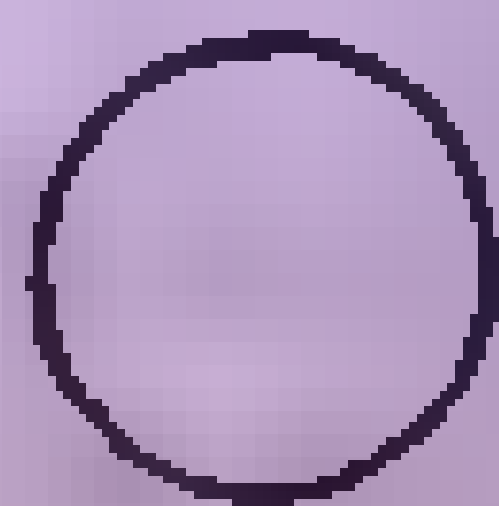
ایک وہ زمانہ بھی تھا میرے معبود جب انفرادی موت ہوا کرتی کتنی کسی کی  
مدت جہات پورے ہونے کی خبر ملتے ہی اطمینان سے ٹھہرتا ہوا جانا اور مرنے والے  
کی روح قبض کر کے دفتر میں بیٹھا دنیا کی بے ثباتی پر غور کیا کرتا۔ لیکن آبادی  
بڑھنے کے ساتھ ساتھ جب سے دنیا کے لوگ مرگ انبوہ جتنے دار دے کے اہول  
پر اجتماعی موت کو ترجیح دینے لگے ہیں تب سے یہ مشکل کام کا پیارا ہوتا ہے۔ اگرچہ  
دور مارینز ایل کی ایجاد کے بعد سے دور و دراز علاقہ سے بھی دفتر میں بیٹھے بیٹھے  
روح قبض کر لیا کرتا تھا لیکن جب سے مسئلہ ہے کہ مولوی صاحب شمار پڑھانے  
وقت لاؤڈ اسپیکر کا استعمال نا جائز سمجھے ہیں تب سے دور مارینز ایل کا استعمال  
میں نے اس ڈر سے چھوڑ دیا ہے کہ کہیں اس مشین کا استعمال آپ کی ناراضگی کا  
باعث نہ ہو ورنہ سائنس کی یہ ایجاد میرے لئے بڑی کار آمد کتنی۔

خداوند!۔ اب تو آٹے دن چلتی ٹریبونوں میں ہم کے دھماکے ہونے سے ہلکا  
ہزار افراد کی روحیں یہ پاک وقت قبض کرنی پڑتی ہیں۔ ہوائی جہازوں میں ٹائم

ہم کے دھلکے سے مسافروں کے برہنچے اڑا کر ان کے اعتقاد دور دور تک بکھرتے ہیں۔ اس صورت حال میں بھی کسی نہ کسی طرح اپنے فرائض انجام دے رہا ہوں لیکن کب تک آخر عمر کا بھی تو تقاضہ ہے کچھ۔

خداوند! دنیا کی آبادی اگر اسی طرح بڑھتی رہی اور روح قبض کرنے کی ڈیوٹی میں اسی طرح اضاقتہ ہوتا رہا تو کیا عجب ہے کہ کثرت کار کے باعث مجھ سے کوئی ایسی کوتاہی سرزد ہو جائے جو میرے ساتھ بچھلے ریکارڈ پر اپنی پچھلے اس لئے قائم یہ وہن میری یہ التجا ہے کہ شعبہ اموات جس کا روزہ اول سے ہی سربراہ ہوں۔ اسے دو شعبوں میں بانٹ دیا جائے یعنی ایک شعبہ اموات حیوان ناطق اور دوسرا شعبہ اموات حیوان مطلق۔ مجھے شعبہ اموات حیوان ناطق کا انچارج بنایا جائے اور شعبہ اموات حیوان مطلق کے لئے ایک مول ٹائم فائینس اور وائس کی بحالی کی جائے اس طرح میں راحت کی سانس لے سکوں گا اور میری *of efficiency* بھی برقرار رہ سکے گی۔

اور ہاں۔ عام طور پر روح قبض کر کے فرداً فرداً نہ کر دیا کرتا تھا لیکن کثرت کار کے باعث اب اتنی فرہمت ہی نہیں رہتی۔ لہذا روح قبض کر کے ایک ٹھیلے میں بھرتا جاتا ہوں۔ اور جب سنبھلا سمجھ جاتا ہے تو اسے عالم بالا روانہ کر دیتا ہوں لیکن اس طریقہ کار میں دقت یہ ہو رہی ہے کہ موقع ملتے ہی اکثر شریر روح قبضے سے نکل بھاگتے ہیں جسے بڑی مشکل سے گرفت میں لانا ہوں۔ اس کے اندر کس کے لئے یہ بھی التجا ہے کہ بہت بڑا نہیں تو کم از کم گول گھر کے برابر ہی ایک پینچر اعانت کیا جائے جس میں روحیں قبض کر کے رکھنا جاؤں۔ اور جب پینچر اچھڑ جائے تو اس پر اپنی ہر گٹھا کر ڈیپچ کر دیا کروں۔ اس طرح نکلے نکلے بھاگنے کا احتمال نہ رہے گا۔







ہی امیدوار آگئے۔ حاضری لے لی گئی۔ کہتے امیدوار ہوں گے اندازاً۔

حضور پیراکی نے عرض کیا۔ میں نے حاضری لے لی ہے۔ پورے پانچ سو  
ہیں۔ یہ سن کر سر فراز صاحب چٹک پڑے۔ کیا کہا پانچ سو؟ کہیں میرے کرائی  
نے سب ہی امیدواروں کے نام اسٹریو یوں کا رڈ ٹیویشن لٹو کر دیا۔ اتنے لوگوں کا اسٹریو  
لینا کوئی آسان کام تھوڑا ہی ہے۔ یہ تو بڑی مصیبت کا سامنا ہوا۔

باپ کی باتیں سن کر لاڈلی بیٹی بولی۔ دل فادر آپ اس قدر غروں بکیں  
ہوتے ہیں آپ ان سب ہی امیدواروں کو ایک قطار میں کھڑا کر کے یہیں کرا دیں  
اس طرح بہت سارے امیدوار خود بخود چٹ جائیں گے۔

گڈ آئیڈیا۔۔۔ سر فراز صاحب اچھل پڑے۔ اکھوں نے چیراکی کو حکم دیا۔  
دیکھو سو سو کا گروپ بنا کر امیدواروں کو دن۔ لٹو تھری کہہ کر دوڑا دو۔ اور ہر گروپ  
میں ایک سے دس نمبر پر آنے والے امیدوار کی فہرست بنا کر پیش کر دو۔

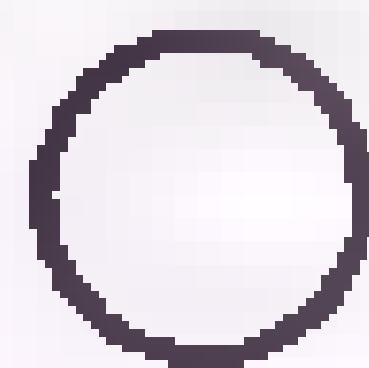
چیراکی نے حسب ہدایت جب اکھیں پس کر کے کو کہا۔ تو سب ہی ایکے ہان  
ہو کر چلائے۔ ہم لوگ پوس میں بھرتی ہوتے کو نہیں آئے ہیں۔ ہم لوگ شادی کے  
امیدوار کی حیثیت سے اسٹریو میں آئے ہیں۔ کہہ دو اس چلیڈائی دھوپ میں دوڑ  
نہیں لگ سکتے۔ تنہا میں ایک اسمارٹ امیدوار نے آگے بڑھ کر کہا۔ سہا بھو۔  
داماد کے انتخاب کے سلسلے میں پس کرانا ایک بے جوڑی بات تھوڑی سی ہے پھر  
کبھی میرا خیال یہ ہے کہ مہا بے ہوشی کے واسطے خسر امیدوار کے اسمارٹ ہونے کا ثبوت  
چاہتے ہیں۔ لہذا ہم لوگ دوڑ لگاتیں۔

ایک سے دس نمبر پر آنے والے پچاس ناموں کی فہرست جب چیراکی نے  
پیش کی تو بیگم ہاک پہ انگلی رکھ کر پوچھیں۔ میرے خیال سے یہ تعداد کبھی زیادہ سے  
مزید تخفیف کے لئے اکھیں گھانسن چھینے میں لگا دیا جائے۔ اس طرح چھٹی کے ساتھ  
لان کی پڑھی ہوئی گھانسن بغیر خرپ کے کٹ جائے گی۔

ان اثرات سے متاثر ہو کر سر فراز صاحب نے بیگم کو یہ نظر تکبیر دیکھا اور

مسکرا کر بولے۔ بڑے دور کی کوڑی لاتی ہو جالی گاڑڈ ۛ۔۔۔۔ یہ کہہ انھوں سے  
پچھر گھنٹی بجائی۔ اور چیر اسی کو ہدایت کی کہ ان پچاس امیدواروں کو لان کی گھاس  
چھیلنے میں لگا دو اور جو اس کام میں ہتیار اور تجربہ کار نظر آئیں ان کی فہرست بنا کر انٹرویو  
کے لئے پیش کرو۔

چیر اسی نے باہر آ کر حیا انھیں لان کی گھاس چھیلنے کو کہا تو سب ہی امیدوار  
بھٹک اٹھے۔ یہ کیا انٹرویو ہے صاحب کہ ابھی ابھی ہمیں اس تیز دھوپ میں دو  
میل دوڑا یا گیا۔ اندر آنا اب ہمیں گھاس چھیلنے کو کہا جا رہا ہے۔۔۔۔ اس کے ساتھ  
ہی مارو مارو کا جو شور ہوا تو چیر اسی بھاگتا ہوا کمرے کے اندر آیا۔ اور اندر سے  
زنجیر پڑھا کر بانپتا ہوا بولا۔ حسنو غضب ہو گیا۔ جان کی خیر نہیں۔ تب ہی گملے پھینکے  
جائے کرسیوں کے پٹکنے اور دروازوں کے شیشے توڑتے کی آوازیں سن کر سر فرار  
مہاسبہ ہوش ہو کر کرسی پر لڑھکے گئے۔ ان کی اہلیہ پہلے ہی بدحواس ہو چکی تھیں۔  
اس وقت ان کی بیٹی ہی کی ذہانت کام آئی۔ اس نے قریب تختانہ میں قون کر کے پولس  
بنوائی جس نے اتے ہی لاکھٹی چارج کر دیا جس کی زد میں بیسیں افراد آگئے اور ابسی  
بھگڈر مچی کہ شادی کے سارے امیدوار انٹرویو کی حسرت لئے بھاگتے نظر آتے۔



## میری ملاقات ابلیس سے

میں اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا کہ باہر سے آواز آئی  
 کیا ہیں اندر آسکتا ہوں۔ قیل اس کے کہ میں جواب دوں وہ حضرت پردہ اٹھا کر  
 اندر چلے آئے اور نہایت بے تکلفی سے کرسی پر بیٹھ کر بولے۔ مجھے ابلیس کہتے ہیں  
 میں انہیں سچٹی سچٹی آنکھوں سے دیکھنے لگا تو وہ مسکرائے۔ تمہیں یقین نہیں آ رہا ہے  
 شاید۔ لیکن درحقیقت میں ابلیس ہی ہوں۔ وہی ابلیس جو کبھی معلم الملکوت تھا جو صرف  
 ایک سجدہ نہ کرنے کے جرم میں راندہ درگاہ ہو کر جنت سے نکالا گیا۔۔۔۔۔ پھر بھی مجھے  
 حیرت زدہ دیکھ کر بولے۔ اچھا ٹھہرو میں تمہیں ابلیس ہونے کا عملی ثبوت دیتا ہوں۔  
 یہ کہہ کر وہ اٹھے اور دندناتے ہوئے کوکھے پر چڑھ گئے۔ اس وقت ایک فرقہ کا  
 بلوئیں ادھر سے گزر رہا تھا۔ انہوں نے ایک ڈھبلا اٹھا کر جلوس کی طرت اچمال  
 دیا۔ جس کی وجہ سے بھگدڑ مچ گئی مارو مارو کے شور کے ساتھ بلم برچھا اور تلوار کا  
 آزادانہ استعمال ہوا مشتعل جوم کو منتشر کرنے کیلئے پولس کو گولیاں چلائی پڑیں۔ کئی لاشیں  
 گریں اور سینکڑوں افراد زخمی ہوئے اور کاتی تعداد میں لوگ گرفتار کر کے جیل  
 بھیجے گئے۔۔۔۔۔ وہ حضرت اپنا ابلیسی کارنامہ دکھا کر اطمینان سے آرام کرسی  
 پر لیٹے رہے۔ اس درمیان کڑنیو لگ گیا تھا۔۔۔۔۔ لیکن وہ حضرت اس سے بے  
 نیاز پردہ اٹھا کر باہر نکل گئے

میرے پڑوس میں اختر صاحب نام کے ایک شخص کچھ دنوں سے رہ رہے  
 ہیں ان کی رازدواجی زندگی اتنی پُرست ہے کہ اس کی مثال دی جاتی ہے۔ ایک  
 دن جناب ابلیس اختر صاحب کے مکان سے نکلتے ہوئے دیکھا تو وہ اس کے

بند ہی روز بد شوہر و غل سن کر اندر رہ کر قرب مکانی ڈورا ہوا اختر صاحب کے یہاں پہنچا  
 دیکھا کہ اختر صاحب کے خسر عقیقہ میں قتل ہوئے بیٹھے ہیں۔ اور ان کے تین بیٹے ان نمازیں  
 اپنے بہنوں کو مارنے مرنے پرستے ہیں۔ اور مغلطات کے ساتھ طلاق طلاق کی رٹ  
 لگا رہے ہیں۔ مختصر یہ کہ ممانہ طلاق ہی پر ختم ہوا اور میں اختر صاحب کی اس قدر  
 پرست زندگی کے تہہ تناک انجام پرا حسیوس کرنا ہوا واپس آ رہا تھا کہ اہلیس پر نظر پڑ  
 گئی۔ وہ ناخوشانہ انداز سے مکرانے ہوئے تیز تیز قدموں سے چلے جا رہے تھے۔

ایک صاحب صوم و مہلوئے کے بڑے پابند ہیں۔ ڈاڑھی بھی تھوڑی رکھی ہے۔ منار  
 باجست پڑھے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید کیا کرتے ہیں۔ ایک روز دیکھا  
 کہ جناب اہلیس نوٹس پانچ پر گھر آئے۔ ان سے باتیں کر رہے ہیں میں نے دل میں کہا  
 خدا خیر کرے۔ اور واقعی ہوا بھی وہی جس کا خدشہ محسوس کیا تھا یعنی صاحب موصوف  
 کچھ ہی دنوں بعد سینا گھر کے پاس نظر آئے۔ ان کی پلی ہوئی ڈاڑھی غائب تھی۔ اور لطف  
 یہ کہ اذہر مغرب کی اذان ہو رہی تھی اور اذہر یہ حضرت اس سے بے نیاز سینا کی ٹانگ  
 گٹانے کے لئے ان میں گھر آئے تھے۔

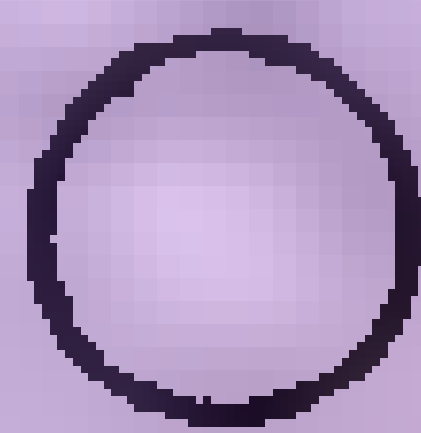
اور کچھ کچھ دنوں بعد حضرت ابیر ایک تقریب میں نظر آئے وہ نوشہ کے  
 والد کے پاس بیٹھے تھے۔ کچھ ہی دیر پہلے ان کے کان میں کچھ کہتے اور پھر اذہر  
 اذہر دیکھتے گئے۔ اس اثنا میں مولانا صاحب عقدر پڑھنے کے آئے تھے نوشہ کے  
 والد نے انہیں اشارے سے روک کر کہا "مولانا یہ تو بیٹا ہو چکے کہ ٹھنڈا  
 پیچیز دل کے ملازم ہیں۔ صاحب زمین ٹی۔ دی اور اکوڑ دے رہے ہیں۔ انہیں  
 اندر پر دے کر کے کوئی تک مہر نہیں ہے۔ اس کے جیب خیریت کے لئے کتنے روپے  
 ہر ماہ گرانے بھجوتے ہیں۔ یہ سننے ہی لڑائی کے والد بے ہوش ہو گئے  
 جیب ہوش میں آئے تو لڑنے کے والد کے پیچھے پڑ پڑ کر بولے۔ یہی لی صاحب رو  
 تیار ہو جانے کے بعد یہ منہ بدو پانچ کواں — مجھ پر رحم کیجئے میری عزت، آپ  
 نے ان کو کچھ کچھ دیا۔ یہ دیکھ کر وہ بے ہوش ہو گئے۔



ان کی اس بے بسی پر ترس کھا کر محلہ کے چند نوجوان لاسٹیاں لے کر برائیوں پر نوٹ  
پڑے۔ دو لہا بابو کے والد محترم پر وہ بے سجاؤ کی پڑی کہ ڈولی پر لا کر گھر لائے  
گئے۔

پھر ایک عرصہ بعد مسٹر ابلیس ٹینہ مارکٹ میں نظر آئے ہیں ان کی نظروں سے  
بچتا ہوا ایک گھڑی کی دوکان میں جا کر گھڑی دیکھنے لگا۔ اس نے میں چٹا چٹ کی آواز سن  
کر یاہر نکلا۔ دیکھا کہ ایک نوجوان لڑکی ایک نوجوان لڑکے کے سر پر جو تیاں بربسا  
رہی ہے اور لوگ تماشا ٹائیٹ بنے دیکھ رہے ہیں۔ مجھ سے اس غریب کی بے بسی نہ دکھی  
گئی۔ یہ مشکل اسے لڑکی کے جھگڑے سے چھڑا کر میں نے الگ لے جا کر پوچھا۔ میاں ہمارے آدھے  
تہیں یہ کیا سوچتی ہے سر بازدار حیرتوں سے تواضع کی گئی۔ وہ بڑی معصومیت سے بولا  
میں نے ٹینہ مارکٹ میں قدم رکھا ہی تھا کہ ایک بزرگ صورت شیرانی میں ملیں گھر لے  
ہوئے مل گئے۔ وہ مجھے سو روپیہ کا ایک نوٹ دکھا کر بولے۔ میاں یہ نوٹ تمہارا رہا۔  
بشرطیکہ وہ سامنے جاتی ہوئی لڑکی کی چونٹی کھینچ کر کھا دو۔ اور پھر نہ معلوم کس شیطاں کا  
کے زیر اثر نہ چاہنے پر بھی آگے بڑھ کر اس کی چونٹی کھینچ لی اور اس کے بعد جو میری درگت  
ہی وہ آپ دیکھ ہی چکے۔

اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد تب میری دفتر سے گھر لوٹا تو معلوم ہوا کہ ذہنی بزرگ  
جو ایک بار پہلے بھی تشریف لائے ہیں ڈرائنگ روم میں میرے منتظر ہیں۔ پستے ہی  
میں نے زور سے کہا۔ لا حول ولا قوۃ۔ یہ کہتا تھا کہ مسٹر ابلیس چھا ایک لگا کر اس  
تیزی سے بھل گئے کہ مجھے بے ساختہ ہنسی آگئی۔



# منشی کفایت اللہ

خدا بخشے منشی کفایت اللہ کو۔ اُن کے انتقال کے ایک عرصہ گزرا۔ لیکن اب بھی جب کفایت شکاری کی بات آجاتی ہے تو منشی کفایت اللہ ضرور یاد آجاتے ہیں ان کا نام تو کچھ اور ہی تھا مگر مشہور اسی نام سے تھے۔ وثیقہ نویسی کی وجہ سے منشی کہلاتے لیکن کفایت اللہ نام کی وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ حضرت ہرکام میں کفایت شکاری کو راہ دیتے اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی تاکید کرتے۔

منشی کفایت اللہ کا تھوڑا سا فٹ سے کم نہ تھا لیکن وہ اپنا یا جامہ صرت دو گنہ میں سلواتے جو دُور سے دیکھنے میں ہانڈ پنٹ دکھائی دیتا۔ ان کے یا جامہ پر حیب ونا پنٹ کی پھٹی کسی جاتی تو وہ اُسے کھینچ کر نیچا کرتے کی کوشش کرتے اس کوشش میں ان پر ہنڈ ٹوٹ جاتا۔

ان کی قمیص میں بھی صرت بائیں ہانڈ کی آستین ہوتی۔ وہ کہا کرتے۔ یہ بھی کوئی تک ہے کہ داہنا ہاتھ بھی آستین کے اندر ہے۔ حالانکہ ہر وقت اس سے کام لیا جاتا ہے بار بار آستین چڑھانے کی زحمت ہی کیوں کی جائے۔ اور پھر اس طرح کفایت شکاری کا ایک پہلو بھی نکل آتا ہے۔

منشی کفایت اللہ کے پاؤں نہ جانے کب کا ایک جھٹا تھا جس میں لگائے گئے کپڑے کا پیر خچہ اڑ چکا تھا۔ صرت تیلیاں ہاتی تھیں۔ پھر بھی دنگ پیر سے بچنے کا خیالی تصور باندھے اسی پھلستے کو لگا کر کچھ ہی جاتے۔

منشی جی کا پتھر شیشے سے بے نیاز تھا۔ کہتے ہیں کہ محلہ کے نٹ کھٹ موذن سے

جھگڑا ہوجانے سے چشمہ کے دونوں شیشے چور چور ہو گئے تھے۔ لیکن اس سے کوئی فرق نہ پڑا تھا۔ وہ صرف فریم لگا کر وثیقہ نویسی کا کام بہ خوبی انجام دیتے۔

منشی کفایت اللہ کی ٹوپی تیل سے چمٹ اور گردوغبار سے اٹی رہتی لیکن وہ اسے دھوئے یا صاف کرنے کا نام نہ لیتے۔ ایک دن کسی پتھلے لڑکے نے اُن کی ٹوپی غائب کر دی۔ منشی جی کو اُس خستہ حال ٹوپی کا اس قدر صدمہ ہوا کہ اس کے غم میں تین روز تک نہ تو کھری گئے اور نہ گھر سے باہر نکلے۔

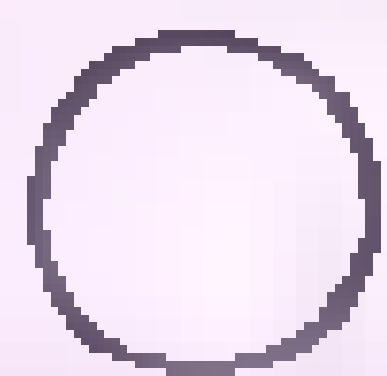
اُن کی شادی عالم جوانی میں ہو چکی تھی۔ لیکن حرکات ایسے ناپائیدار تھے کہ نہ تو سسٹے تنہو کا اور نہ سالے اور سالیوں نے قدر کی۔ بیوی تو خیر بیوی ہی تھی۔ وہ بھی منشرقی عورت۔ مگر منشی کفایت اللہ کے عقد نکاح میں بند وہ کر تقدیر ہی پھوٹ گئی تھی غریب کی نہ کھانا گت کا۔ نہ کپڑا ڈھنگ کا اور نہ سلیقے کا رہن سہن ہی۔ اس پر سے بات بات پر خلاق کی دھمکی اور بھی کبھی دھول دھپہ کبھی جب بیوی کے صبر کا پیمانہ پیریز ہو گیا تو وہ اپنے ہیکے یا بیٹھیں کچھ دنوں منشی کفایت اللہ خود ہی چولہا چکی کرتے رہے۔ لیکن جب چولہا پھونکتے پھونکتے آنکھیں سُرخ رہنے لگیں تو بیوی کی یاد آئی۔ ایک دن کھری سے اٹھے تو سیدھے سسرال کا رخ کیا کہ بے آہن بہلا پھسلا کر گھر والی کو۔ لیکن سالوں ہوئے بڑے ہوئے بیور دیکھ کر اسٹے پاؤں واپس ہوئے۔ اب انھیں بیور اُٹھل کا سہارا لینا پڑا۔ ہڈیوں میں کھانسنے کے دوران رد لکے جو کمرے پہنچ جاتے تو اسے روال میں لپیٹ کر گھر لے آتے۔

جب بیوی کو راضی کر کے گھر لائے یا بہ صورت دیگر دوسری شادی کرنے کا مشورہ دیا جاتا تو منشی کفایت اللہ کہتے۔ تاپا پانا۔ میں کان پکڑتا ہوں بڑے مزے میں کٹ رہا ہوں میری۔

رثیقہ نویسی سے اتنا کمالات تھے کہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلاتے کی نوبت نہ آتی۔ تیرہ رفتہ اُن کی صحت گرنے لگی۔ وہ کہنے ہوٹل میں کھاتے رہنے کی وجہ سے زیادہ تریبہار رہنے لگا ہوں۔ کبھی کھانسی کبھی سکار۔ کبھی پیشاب کبھی مودے کا سار۔ مگر دولہ کے نام پر ایک چوٹی

کوڑی خرچ نہ کرتے۔ بس یہی کسی نے کوئی جڑی بوٹی بتادی تو اسی کو کوڑے پیش کراندر شانی  
اللہ کا فی کلمہ کر طق سے پیچے اتار لیتے۔

جب ہوٹل جانے کی صلاحیت نہ رہی تو پھر خاص احباب نے مشورہ دیا کہ اب بھی  
تو گھر والے کو لے آئیں بیوی سے نہ اتنا تن کشیدہ ہے پھر بھی مشرقی عورت شوہر کی خدمت  
سے منہ نہیں موڑ سکتی۔ مگر وہ ہمیشہ انکار ہی کرتے مگر ایک دن منشی جی ٹم ٹم پیڑا رہ کر  
سسرال چاہیے۔ یہاں سالوں کی ان پر نظر پڑی تو تاڈ میں آکر انہوں نے چاہا کہ منشی  
کفایت اللہ کی بیوی لیکن ان کے نقل میں ایک مٹری دبی دیکھ کر سنبھلے۔ انہوں نے  
سوچا ہونہ ہو نوشاہ بھائی عمر سیر کی جمع پونجی لے کر گھر لوٹے ہیں۔ پھر کیا تھا۔ خوب خاطر  
مدارات ہوتے گئی۔ سالیان اور سالے ایک پر پر کھڑے رہتے۔ چودہ ماہ تک ان  
کی پانچوں انگلیاں گھٹی میں رہیں۔ سالیان اگر سر میں تیل مالش کر رہے ہیں تو سانسے پاؤں دبا  
رہے ہر خوشدامن صاحبہ داماد کی بلائیں لے رہی ہیں تو قبلہ خسر بار بار مزاج پر کسی کو حویلی  
میں تشریف لا رہے ہیں۔ آخر خدا خیرا کیے کہ وہ حصار کسا گھڑی آنی جس کا بے چینی سے  
سے انتظار تھا یہی منشی کفایت اللہ کا دم ٹوٹنا تھا کہ سالے سالیان۔ بہ شمول خوش دامن  
اور قبلہ خسر صاحب منشی جی کی گھڑی پر گرد کی طرح ٹوٹا پڑے لیکن جب گھڑی کھول گئی تو  
سب کی آنکھیں سمٹی کی سمٹی رہ گئیں کیوں کہ اس میں صرت ردی کے دو کھٹے لکڑیے تھے۔ وہی  
ردی کے لکڑیے جنہیں وہ ہوٹل سے لا کر جمع کرتے رہے تھے۔





## میرے فرضی مرض کے چار معالج

ویسے بفضلہ تعالیٰ میں بہت کم ہی بیمار رہتا ہوں یہی اکثر زکائی کیفیت کا شکار ہو گیا تو ہو گیا۔ علاج کے لئے اگر حکیم صاحب سے رجوع کیا تو دو ایچیز کر کے وہ یہ مشورہ دیتے ہیں کہ کھانے میں روٹی استعمال کریں۔ اگر ڈاکٹر صاحب کے یہاں گیا تو وہ نسخہ لکھ یہ ہدایت کرتے ہیں کہ روٹی نہیں چاول کھائیں۔ حکیم اور ڈاکٹر کی اس دورنگی ہدایت پر میں نے سوچا کہ دونوں کے طریقہ علاج اور ہدایت میں اتنا فرق کیوں ہے ممکن ہے کہ الگ ہی مرض کی الگ الگ تشخیص ہوئی ہو۔ اس خیال کے تحت ایک روتہ میں نے یہ پیردگرم بنایا کہ اختلاج قلب کا فرضی مریض بن کر حکیم صاحب ڈاکٹر صاحب اور ویدک جیسے علاوہ دعا تو یہ کرتے والے شاہ صاحب سے رجوع کر کے دیکھا جائے کہ ان چاروں معالجوں کی الگ الگ کیا تشخیص ہوتی ہے اس پر دگرم کے مطابق میں پہلے حکیم صاحب کے یہاں پہنچا۔ حکیم صاحب گاؤں کے بہار سے بیٹھے مریضوں کو دیکھ رہے تھے۔ جب میری باری آئی تو میں نے عرض کیا۔ حکیم صاحب میں ایک عرصہ سے اختلاج قلب کے مریض میں مبتلا ہوں۔ علاج سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہاں تک کہ میں اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا ہوں۔ لیکن مل آفاق سے آپ کے اعجاز میسالی کا شہرہ سنا تو مجھے تقویت حاصل ہوئی اور بڑی امید سے کمر ہاں ہوں۔ خدا کے واسطے مجھ پر توبہ فرمائی جائے۔

حکیم صاحب بہ اندازہ میکانہ مہر لا کر بولے۔ میرے اعجاز میسالی کا شہرہ آپ نے ٹھیک ہی سنا ہے..... ذرا بات کو بڑھائیں میری طرف..... کچھ دیر منہ سے نہ خوشی کے بعد بولے۔ میں آپ کے مرض کی تہہ کا پتہ پہنچ گیا۔ اب مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں

پہلو بدل کر).... نسخہ تو اسی وقت لکھ دیتا۔ لیکن مناسب ہو گا کہ قارورہ بھی ایک نظر دیکھ ہی لوں تو آپ کل صبح سویرے کا قارورہ بیٹھک میں لے آئیں۔ میں ہوا لٹاتی کہہ کر ایسا تیر بہدت نسخہ لکھوں گا کہ چند ہی روز میں آپ کامرغن چھو منتر ہو جائے گا۔ اگر میرا یہ دعویٰ غلط ثابت ہوتا تو مطلب میں آگ لگا کر اور اس میں عطار کو جھونک کر جنگل کا راستہ لوں گا۔

دوسرے روز قارورہ بدست حاضر ہوا۔ حکیم صاحب اپنے قریب بلا کر بولے۔۔۔  
میاں قارورہ زور زور سے ہلٹیں تو.... ارے ارے اتنا زور سے بھی نہیں سجالا کہ اس کی تعقیب میں میرے منہ پر پڑیں۔

بس اسی طرح... بیٹھک ہے ٹھیک ہے.... اب آپ اسے سکون کی حالت میں آنے دیں.... اف! مہاذالشر یہ آپ کا قارورہ ہے نہایت غیر تشفی بخش....  
.... چینی تو خیر کافی مقدار میں آتی ہی ہے۔ اس کے اندر چند ایسے ذرات بھی تیرتے نظر آ رہے جو خصوصاً اختلاج قلب کے مریض کے لئے بہت ہلکے ہیں۔ چھری گھیرنے کی کوئی ایسی بات نہیں نسخہ لکھے دے رہا ہوں میری منسوجہ جمع کر کے عطار سے چند روز کی دوا بندھوا لیں۔  
حکیم صاحب کی شخصیت پہنچے ہنسی آ رہی تھی فاضل کرا لٹے بھی کہ وہ قارورہ میرا نہیں بلکہ میرے شیر خواہ پتے کا تھا۔ جس میں حکیم صاحب کو ہلکے ذرات تیرتے ہوتے نظر آتے۔

مطلب سے نکل کر ڈاکٹر صاحب کے یہاں پہنچا۔ کیونکہ ڈرنے پہنچ کر ہی جمع کر لی۔  
تب ایک حویر ڈاکٹر نے میرا وزن لے کر مرن کی ہسٹری شیٹ تیار کی.... گھنٹوں انتظار کے بعد میرا نام لپکا سا گیا۔ میں ڈاکٹر صاحب کے چیمبر میں داخل ہوا۔ ڈاکٹر صاحب میرے اختلاج قلب کی ہسٹری شیٹ بغیر پڑھ کر بولے۔ آپ اپنے کپڑے تو اتار ڈالیں۔ حسب ارشاد تمبیش اور کتنی آنا کر ازار بند کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے لڑکا ارے ارے اس کی ضرورت نہیں ہے مٹر۔

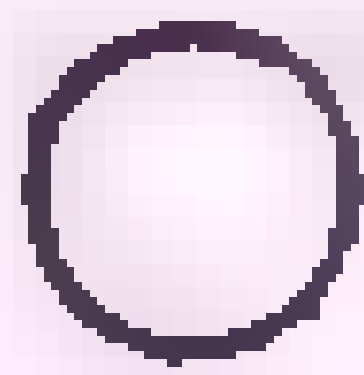
ڈاکٹر صاحب مختلف تاویسے سے میرا معائنہ کرتے رہے۔۔۔۔۔ کبھی کہتے۔ ذرا  
 زور زور سے سانس لیں۔۔۔۔۔ ہاں ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ اب ذرا اعلیٰ تو دکھلائیں۔۔۔۔۔  
 تو تو (NO - NO)۔۔۔۔۔ اتنا منہ پھاڑنے کی ضرورت نہیں بس اسی قدر کافی ہے۔۔  
 ۔۔۔۔۔ آل رائٹ۔۔۔ اب آپ کپڑے پہن کر اس بڈ پریلیٹ جائیں۔ مائی گاڈ! یہ آپ کا  
 جگر تو بہت بڑھا ہوا ہے۔ کیس میں لیں۔۔۔۔۔ آپ اپنا بلڈ پریشر اور اسٹول ٹسٹ کرانے کے  
 بعد اپنے سینے کا اکسے بھی کرالیں۔ آپ کا پارٹ بھی بہت دیک ہے۔ یہ چاروں رپورٹس  
 دیکھ لینے کے بعد ڈائنل نسخہ لکھوں گا اس بیچ ایک ٹیبلٹ دے رہا ہوں اس سے پارٹ  
 کنٹرول میں رہے گا

ڈاکٹر صاحب سے بیچا چھڑا کر ویدھی کے یہاں پہنچا۔ ویدھی کی چند یا گتھی ہوئی تھی  
 دھوئی کے اوپر صدی پہنے ہوئے تھے چشمہ ناک کی پھنگی کے اوپر انکا ہوا ستھا۔ عینک  
 میں سیاہ ڈورے لگے تھے جسے وہ کان کے گرد پٹے ہوئے تھے۔ میرے اختلاج  
 قلب کی کیفیت بخیر سن کر بولے۔۔۔۔۔ ذرا نرمی تو دکھوں آپ کی میں نے ہاتھ بڑھا دیا۔  
 نبض پر ہاتھ رکھتے ہی کرت سا لگ گیا ان کو اپنی گتھی ہوئی چند یا سہلا کر بولے۔ جیرت ہے  
 کہ آپ جیوت تکیے ہیں۔ جب کہ آپ کی نرمی اس طرح چل رہی ہے جیسے ٹھیل ٹھیل کہ چلایا  
 جا رہا ہو۔ یہ بہت ہی خراب لہجہ ہے۔ پھر نبی یہ آپ پر سب گوان کی خاص کر پاسے جو سرے۔  
 یہاں پار ہمارے ہیں۔ میں جڑی بوٹیوں سے بنی ایسی دوائیں دوں گا کہ نرمی کی چال خود بھی  
 جھکڑا کر رہے وہ ریل گاڑی ہو جائے گی اور دل کی دھڑکن تو دوا کھاتے ہی جاخٹے ہیںگی  
 ابھی ایک سہلی کی چالیس پر یاد رہا ہوں۔ اس دوا کے سیون کے ساتھ ایک دن زچ کر  
 کے اپنی نرمی ضرور دکھلا جائیں گی۔

ویدھی نے دوا بتانے کے لئے پیچھے پھیری ہی تھی کہ میں نے جلدی سے چیل بہتی اوپر ہار  
 نکل گیا۔ راستہ میں پتہ چلا کہ اپنی پرائی چیل کے بدلے ویدھی کی نئی چیل پہنے ہوئے ہوں۔  
 واپس جانا خطرہ ہے خالی نہ تھا اس لئے پیر سے بڑی ویدھی کی چیل پہنے سڑیڈ کرنا سہا دھا

توید کرنے والے شاہ صاحب کے یہاں پہنچا۔ یہ میرے پردگرم کی آخری کڑی تھی۔  
 میرے اختلاخ قلب کی پوری کیفیت سن کر شاہ صاحب نے پوچھا۔ کیا آپ دروازے  
 خواب بھی دیکھتے ہیں۔۔۔۔۔ میں نے عرض کیا۔ جی ہاں حضور۔ نہایت دروازے اور  
 ایسے عجیبانک خواب کہ جیسے کوئی مجھے کچا چھاپا جاتے کو بری طرقت بڑھ رہا ہو۔ ماسے دشت  
 کے پیچ پڑتا ہوں اور جب آنکھیں کھلتی ہیں تو اپنے کو بستر کی بجائے زمین پر پڑا ہوا پایا ہوں  
 تو میں معاملہ بالکل مبالغہ ہے۔ شاہ صاحب دارحی کا فلال کرتے ہوئے کچھ  
 نہیں جانتا۔ بلایت کا پھیرا ہے۔ اور آپ ہیں کہ علاج کراتے پھر رہے ہیں۔۔۔۔۔ اسے  
 سچائی کو زیادہ سی پرتب تو ذرا اثر کرے۔۔۔۔۔ مگر آپ اطمینان رکھیں۔ یہ ساری کیفیت  
 جاتی رہے گی۔ میں ایک توید دے رہا ہوں۔ اسے گلے میں ڈال لیں۔ اور یہ ایک تول پانی  
 ہے۔ اس کا ایک ایک چھوٹا صبح دوپہر اور شام استعمال کریں۔ یہ پڑھا ہوا پانی ہے۔۔۔۔۔  
 اسے حفاظت سے رکھ لیں گا۔

میں نے شاہ صاحب کے دست مبارک سے توید لے کر گلے میں ڈال لی۔ اور مذرا  
 پیش کر کے حجرے سے باہر نکلے تھے ہی تولی کا سارا پانی ایک ماس میں پی گیا۔ کیونکہ مجھے دیر  
 سے پیاس لگی ہوئی تھی۔ تب ہی یہ دیکھا کہ شاہ صاحب کی بکری ان کے حجرے کے دروازہ پر  
 کھڑی پاگھر کر رہی ہے۔ میں نے توید اپنے گلے سے اتار کر بکری کے گلے میں باندھ دیا اور اسے  
 شاہ صاحب کے حجرے میں ہٹا کر اس تیز رفتاری سے بھاگا کہ اگر شاہ صاحب کا کوئی ذرا شاہ  
 میرا پیچھا کرے بھی تو مجھے پکڑ نہ سکے۔





## رومنائی یا رسم اجرام

پتا نہیں کتابوں کی رومنائی یا رسم اجرام کی ابتداء کب ہوئی اور کس ادیب یا شاعر کے کتاب کی رومنائی سب سے پہلے ہوئی میں نے شمار ادیبوں اور دانشوروں سے دریافت کیا۔ لیکن کسی نے یہی اس کی نشان دہی نہ کی۔ پھر بھی کس نے اس کی ابتداء کی ہوگی۔ اور اب تو رسم اجرام کی اس قدر اہمیت ہے کہ اگر کوئی مصنف اس سے پہلو ہٹ کرے تو اس کی تصنیف مستند نہ سمجھی جائے گی۔۔۔۔۔ بلکہ اس کی تصنیفی صلاحیت بھی مشکوک ہو جائے گی۔

رومنائی کے لئے عموماً کسی منتر کی کوزحمت دی جاتی ہے اس خیالی سے کہ ان کی تشریف آوری سے کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ ایک معقول رقم کے اعلان کی بھی توقع رہتی ہے۔ لیکن اس کو کیا کہئے کہ ایک پہنچے ہوئے شاعر نے اپنی کتاب کی رومنائی ایک رکشہ چالاک سے کرائی۔۔۔۔۔ ہاں وہ بلندی اور کہاں یہ پستی لیکن ٹھہر بیٹے۔ اس میں کوئی مصالحت ضرور ہوگی کیا ٹھیک ہے کہ مصنف کے ذہن میں یہ بات ہو کہ جیت تک رکشہ چلتا رہے ان کی کتاب بھی چشتی رہے۔۔۔۔۔ اگر واقعی اس خیال کے تحت ایسا کیا گیا تو اسمتوں سے بڑے دور کی کوڑی لالہ۔

رسم اجرام کے لئے جو صاحب تشریف لائیں ان کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ادب سے بھی کوئی تعلق ہو۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جس کتاب کی رومنائی کر رہے ہیں اس کے نفس منہوں سے بھی واقفیت ہو۔ ویسے کتاب کی رومنائی کے لئے کسی منتر کوزحمت دینا ان کے ساتھ نا انصافی ہے۔ ان بیچاروں کو خود ہی دم مارنے کا فرصت نہیں رہتی چہ جائیکہ کتاب

کے مطالعہ کا وقت نکال سکیں لیکن مشکل یہ ہے کہ عظیم الفرضی کا بہانہ کر کے وہ اپنا پیچھا بھی نہیں چھڑا سکتے۔ اس طرح ان کی شخصیت، صلاحیت اور قابلیت پر حروف آتے کا خدشہ رہتا ہے جس کو وہ گوارہ نہیں کر سکتے۔

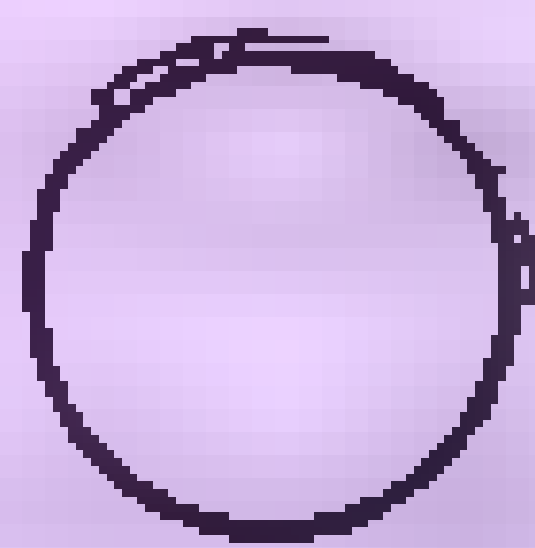
دروغ پیر گردن راوی کہتے ہیں کہ ایک اعلیٰ عہدے دار تالیفوں کی گونج میں جب ایک کتاب کی رونمائی کے لئے کھڑے ہوئے تو خیال آیا کہ اس کتاب کا نفس مضمون کیا ہے اور اس سلسلے میں انہیں کیا کہنا ہے۔ پہلے تو وہ بہت ہیکر لگے۔ مگر قریباً ان کی سوجھ بوجھ کے استخوان نے کتاب کے ٹائٹل پر ایک نگاہ غلط اندازہ ڈالی۔ اور مسکراتے ہوئے بولے۔۔۔۔۔ حاضرین میں جس کتاب کی رونمائی کے لئے کھڑا ہوا ہوں اس کے بارے میں کچھ کہنا گویا آپ حضرات کا قیمتی وقت برباد کرنا ہے۔ کتاب کی رونمائی کے بعد خود ہی پڑھ لیں گے اور جس کی جیسی صلاحیت ہوگی اس کے مطابق اپنی رائیں قائم کر سکتے ہیں لیکن قوت مشاہدہ کی کمی کے باعث بہتوں کو ٹائٹل پر سنی ہوئی تفسیر کا صحیح مطلب اور مقصد سمجھ میں نہ آئے گا۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ اس کی وضاحت کر دوں۔۔۔۔۔ جی ہاں ٹائٹل پر سنی ہوئی تفسیر میں آپ یہ دیکھ رہے ہیں کہ دریا کی موج لہریں مار رہی ہیں۔ اس کے کنارے ایک شخص کھڑا ہوا ہے جہلانگ لگاتے کے قریب ہے۔۔۔۔۔ یہ اشارہ اس بات کا ہے کہ خون پسینہ ایک کر کے لکھی گئی کتاب فروخت نہ ہو سکے اور پریس والوں کے تعاون سے ناک میں دم آجائے تو مصنف کو چاہئے کہ اردو زندہ باد کا نعرہ لگاتے ہوئے دریا میں جہلانگ لگا کر خودکشی کر لے۔ اور یہ بہرگز نہ سمجھے کہ اس کے مرحوم ہو جانے کے بعد اس کی بیوہ اور ختم بچوں کا کیا حشر ہوگا۔ خدا راتقی ہے۔ وہ ہر حال میں روزی پہنچا سکتا ہے۔ چاہے جس طرح سے بھی ہو۔

صاحبِ مروت نے اس موضوع پر ایسی دھندلائی دھار تفریر کی کہ ہر طرف سے نعرہ تحسین بلند ہوا۔ اسی شہر و شعبہ کے درمیان استخوان نے ایک معقول رقم کا اعلان کر دیا جس کو سن کر اس قدر زور زور سے تالیباں بھیں کہ اس پاس کے درختوں پر بیٹھے ہوئے

پزندے ایک ایک کر کے اڑ گئے۔

دونوں کے لئے حضرت مصنف صلی اللہ علیہ وسلم نے سب ہی ڈانس پر میٹھے ہوئے حضرات میں تقسیم ہو گئیں۔ باقی لوگوں کو اس کی ہڈیاں نہ لگی۔ ان کے پلے اگر کچھ بڑے تو وہ تھے دو عدد خاصہ بسکٹ اور ایک پیالی چائے تھے جس کا اہتمام مصنف ہی کے ہاں سے کیا گیا تھا۔

رسم اجراء کے بعد مصنف یہ سمجھ لیتا ہے کہ کتاب باتاری میں آئے ہی چھو بار ہو جائیگی لیکن جیب وہ میدان عمل میں قدم رکھتا ہے تو اس کو اس قدر بابوسبوں کا سامنا ہوتا ہے کہ دن کو تار سے نظر آتے لگتے ہیں..... وہ تو خدا سجد کر کے احباب اور دیگر ملنے والوں کا جو مصنف کی علمی صلاحیت اور قوت تعریف کی تحریریں کے زور پر اس کو ہر شانہ بندہ ہی نہیں رکھتے بلکہ کتابیں مفت حاصل کرتے کرتے ایک دن مصنف کو تعریف کردہ کتابوں کے بوجھ سے ہلکا کر دیتے ہیں۔ اور ادھر اعلان شدہ معقول رقم کے حصول کے لئے دوڑتے دوڑتے تنگ آکر مصنف مہر کر کے بیٹھ رہتا ہے۔



## فریدن خالہ

فریدن خالہ کو میرا بچپن میں دیکھا تھا۔ اُن کے ہاتھ میں ہر وقت پاندان رہتا  
فریدن خالہ کے آتے ہی ہم سبھی بچے انہیں گھر لیتے۔ وہ اپنا پاندان کھول کر ایک مولیٰ سی  
گلابی مسخ میں ڈالتیں اور کپڑے سے پیسے نکال کر تقسیم کر کے کہتیں۔ لیکن سب اب  
باہر جا کر کھیلو،

فریدن خالہ کا سر سفید ہو چکا تھا۔ مسخ میں ایک بھی دانت نہ ہونے کی وجہ سے  
ان کے دونوں کالوں میں اتنی گنجائش تھی کہ دو پیٹنگ یہ آسانی سے آسکیں۔ فریدن خالہ  
کے گائے ہیں تبیلج کے ساتھ دانت کھودنے کے مختلف اوزار رکھتے رہتے تھے۔ ان کی عمر ستر  
سال کے اوپر ہو گئی لیکن بھتیں ٹماٹھی۔ اور چلتی بھی خوب لپک کر آنکھوں پر موٹے  
شیشے کا آتش پتہ لگائے رہیں۔

فریدن خالہ نہ نو سہاگن بھتیں اور نہ بیوہ۔ جوانی میں ایک ایسا حادثہ پیش آیا  
تھا کہ جس کے نتیجے میں سہاگن اور بیوہ کے درمیان جھول رہی بھتیں۔ فریدن خالہ کا کہنا  
ہے کہ اُن کے خوبصورت میاں ایک شب کھلی ہوئی چھت پر سو رہے تھے کہ اچانک  
زبردست آندھی اٹھی۔ اس آندھی میں وہ چھت کے اوپر سے جو غائب ہوئے تو پھر  
کہیں پتہ نہ چلا۔ فریدن خالہ کا کہنا ہے کہ اُن کے میاں کو کوئی پری لے اڑی۔ ان کو یہ  
سمجھی تو قح بھتی کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور واپس آجائیں گے۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ  
سفید کپڑے کبھی نہ پہنیں۔ چوڑیوں سے کبھی ہاتھ خالی نہ رہتا۔ اپنے سہاگن کی نشانی  
سینہ و رانوں پر لگاتیں۔ جس روز ان کے میاں آندھی میں چھت پر سے



نامیہ ہوئے تھے اس تاریخ کو خوب بن سدر کر ضرورت تھیں۔ اس امید میں کہ شاید آندھی میں اڑتے ہوئے گھر واپس آجائیں۔ آندھی کے آثار دیکھ کر فریدن خاں کہتے ہیں۔ دیکھو لڑکوں سب جن کے بادشاہ کی سواری جانے والی جب تک سواری گزر نہ جائے تم سب کو تھوڑے سے باہر ہرگز نہ جائیو۔

یہ بات نہ تھی کہ گھر کے بچے ہی ان کو فریدن خاں کہتے ہوں۔ بلکہ بے دار اور مانا ملک ان کو فریدن خاں کہتے تھے اور چونکہ خاں کے رشتہ میں اظہارِ عزت کی ہے اس لئے اپنے سے بڑی عمر والے کے سلام کا جواب دعا سے دیتے ہیں۔ کہیں تقریب ہو میلاد شریف ہو عتہ یا کان چھیدن ہو اور فریدن خاں نہ جائیں یہ ناممکن تھا۔ فریدن خاں تھینٹ کا پاجامہ اور پورے ماتھے کی قمیض کے ساتھ دوپٹہ اور دستکشیں۔

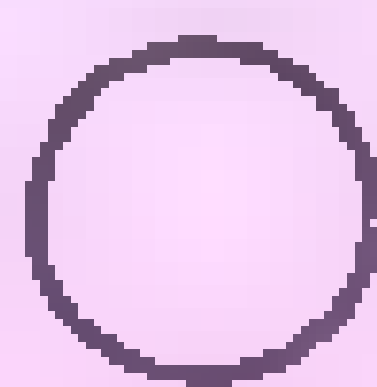
فریدن خاں پر جمعرات کو فوراً مہ اور تیا مہ پڑھ کر ستائیں۔ ان کا درجہ معاش مشاط گیری تھا۔ فریدن خاں کے پاس ایک بیٹی کی بیوی سی کا پان تھی۔ جس میں کنواری لڑکیوں اور کنواری لڑکوں کے پتے لکھے ہوتے۔ فریدن خاں کو دونوں طرف سے آمدنی ہوتی۔ جب ان کے توسط سے رشتہ طے ہو جاتا۔ مشاط گیری کے سلسلے میں ایک بار فریدن خاں کو خفیعت کا سامنا کرنا پڑا۔ ہوا یہ کہ جس لڑکی کی انھوں نے بات چلائی تھی اس کو گھیکھا تھا۔ فریدن خاں نے لڑکی کو تعریف اور بڑائی کے بعد اشارہ یہ بھی بتا دیا کہ اللہ رکھے لڑکی کو اتنا ہے ہاتھ کا اشارہ کر کے۔۔۔ اتفاق کی بات کہ اس طرف لڑکے کو آب نزل تھا۔ فریدن خاں کے یہ اصول کے خلاف تھا کہ وہ کسی کے عیب کی نشان دہی نہ کریں۔ اس لئے لڑکی والوں کو بھی انھوں نے ہاتھ کے اشارہ سے بتا دیا کہ اللہ رکھے لڑکے کو اتنا ہے۔ اس طرح دونوں گھر نے مطمئن ہو گئے اور تقریب بحسن و خوبی انجام پائی۔

جب لڑکی رخصت ہو کر سسرال آئی تو پتہ چلا کہ دلہن کو گھیکھا ہے۔ اہل لطف یہ کہ ادھر لڑکی والے فریدن خاں کو کوس رہے تھے کہ اس نے لڑکی کو کہاں بچھا دیا کہ دولہا کو آب نزل ہے۔

لڑکے والوں نے فریدن خالہ کو پکڑا تو وہ اپنی بھائی میں بولیں: یہ آپ لوگ تافخ خنکی کا اظہار کر رہے ہیں جب کہ میں تپے پہلے ہی صاحبہ صاف بتا دیا تھا کہ لڑکی کو اللہ رکھے اتنا ہے اور پھر جب لڑکی والوں کے یہاں بھی اس کی طبیعت ہوئی تو وہاں بھی اکھولے تپے ہی دہل پیش کی کہ میں نے تو کہہ ہی دیا تھا کہ لہڑ رکھے لڑکے کو اتنا ہے۔

فریدن خالہ میرے یہاں آئیں تو ہمنوں رہ جاتیں۔ گھر کے بالکل کنارے سامان رکھتے والی کوٹھری میں ان کا قیام رہتا۔ سوتے سے پہلے نعت اور حمد ضرور پڑھتیں۔ اس کے بعد کلمہ شہاد بھی پڑھتی تھیں ان کا معمول تھا۔ ایک روز کسی ضرورت سے دادی اماں فریدن خالہ کی کوٹھری میں گئیں صبح کی نماز پڑھ کر خالہ بے خبر سو رہی تھیں۔ دادی اماں کے یار بار آواز دیتے پڑھی جب وہ نہ اٹھیں۔ تو دادی نے اکھنیں بلا کر جھنگا ناچا یا۔ لیکن یہ کیا۔ فریدن خالہ تو اللہ کو پیاری ہو چکی تھیں اس خبر سے گھر کے اندر کہرام مچ گیا۔ فریدن خالہ کو سفید چادر اوڑھا کر ان کے سر پہانے اگر کی بن جلا دی گئی۔ اور پتھیر و تکفین کی تیاری ہونے لگی۔ کفن بھی سل گیا۔ صرف میت کو غسل دینا باقی رہا کہ فریدن خالہ کے کلمہ پڑھنے کی آواز سنائی دی۔ ہم لوگ پیچ مار کر کھائے۔ فریدن خالہ کی آواز سن کر تانا جانا جیسے ہی کوٹھری میں داخل ہوئے تو فریدن خالہ نے پوچھا۔ میرا صاحب گھر کے اندر اتنا سب غائب ہے کاش ہے۔ کوئی کابج ہے کیا۔

جب فریدن خالہ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا گیا تو خنکی کا اظہار کرتے ہوئے بولیں۔ میں ایک زمانہ سے آ رہی ہوں میرا صاحب لگ رہی کہ اتنا بھی معلوم نہیں کہ شش کرتے کرتے اب دو گھنٹے تک سانس روک لے سکتی ہوں۔۔۔۔۔ یہ اتنا مزہ ہے کہ مجھے مردہ سمجھ کر کفن سل گیا اور قبر بھی کھدائی گئی۔ وہ تو سہوڑی دیر اور اگر سانس روکے رہتی تو دفن ہی کر دی جاتی۔۔۔۔۔ نا بابانا۔۔۔۔۔ میں اکھی مڑنا نہیں چاہتی۔ کون جانے وہ کب لوٹ کر آجائیں۔ یہ کہہ کر فریدن خالہ نے اپنا پانڈان سنبالا اور کلمہ پڑھتی ہوئی باہر نکل گئیں۔ اس دن کے بعد سے کسی نے فریدن خالہ کی صورت نہ دیکھی۔ اور اب تو وہ مر کھ چکی ہوئی ہوگی۔



## دورخ سے براڈ کاسٹنگ

گھر گھراہٹ اور کچھر کھاری کچھر کم آواز..... ہم دورخ ریڈیو اسٹیشن سے بول رہے ہیں۔ ابھی ابھی آپ نے خبریں سنیں۔ اور اب ایک خصوصی پروگرام کے تحت چند دورخوں سے لی گئی اسٹریڈیو کی ریکارڈنگ سماعت فرمائیں گے۔

گھر گھراہٹ اور کچھر آواز..... اس وقت اسٹڈیو میں ایک پنڈت جی۔ ایک مولوی صاحب۔ ایک نوجوان اور ایک پہلوان تشریف فرما ہیں میں سب سے پہلے پنڈت جی سے گزارش کر رہا ہوں کہ وہ خود ہی سامعین سے اپنا تعارف کرائیں نام بھی بتا کر یہ درخواست کریں کہ کس پیتھے سے دنیا میں تعلق تھا اور یہ بھی کہ نہ کہ میں کیسے آنا ہوا۔

پنڈت جی کی آواز۔۔۔ کیا بتاؤں مجھے اپنا نام بتانے میں شرم آتی ہے۔ خاص کر اس خیال سے بھی کہ ممکن ہے دنیا والے بھی یہ پروگرام سن رہے ہوں۔ ویسے پنڈت جی ہی کے نام سے مشہور تھا۔ پیشے کے اعتبار سے میں دوائیں فروخت کرنے کا کاروبار کرتا تھا۔ میں نے ایک کارخانہ بھی کھول رکھا تھا جس میں جالی دوائیں اور جالی انجکشن تیار کئے جاتے تھے میری اس جالساڑی سے ہزاروں جانیں تلف ہوئیں۔ لیکن میری بخوری میری اس حکمت عملی سے بھرتی رہی اور میں بہت خوش تھا کہ کس صفائی سے ہندا کو دھوا دے کر اپنا الو سیارہ کاروبار ہوں لیکن کیا خیر تھی کہ ایک دن اپنی اس جالساڑی کا خود بھی شکار ہو جاؤں گا..... میرا یہ کہ ایک روز حسب معمول دوکان سے لوٹا ہی تھا کہ چائیک زوروں کا بخار چڑھا۔ ڈاکٹروں نے میری ہی کمپنی کی تیار کردہ جالی دوا کا انجکشن لگایا ہی تھا کہ میں نے دم توڑ دیا۔..... تب سے نہ کہ میں یہ نہرا سہکتا رہا ہوں کہ دن رات میں سینکڑوں مرتبہ اسی جالی دوا کا انجکشن مجھے

روایا جاتا ہے..... اسے میرا پورا بدن چھلتی ہو رہا ہے..... اور اب تو مجھے بولا  
جی نہیں جاتا۔

آواز — اور اب مولوی صاحب اپنا اسم گرامی بتا کر یہ فرمائیں کہ کس کا نام ہے  
نخت میں غیر متوقع جگہ شریف لانا بوجہ کیا کا۔

مولوی صاحب کی توجہ — مجھے بھی پتہ نہ تھا جی ہرارج کی طرح نام بتانے میں حیا دامن گیر  
ہوتی ہے۔ ویسے دنیا میں جنت کے ٹھیکے دار کے نام سے مشہور تھا۔ لیکن نعمت کی ستم طریقہ کہنے کہ  
ہاں میں مولویانہ شکل و صورت میں پورا دنیا دار تھا۔ میری کتابیں گنڈے دار سوتیں۔ اور روزے  
دنیا دالوں کو دکھلانے کو۔ خدا کی پکڑ اور اس کے عذاب سے بچنے کیلئے دوسروں کو نصیحت کرتا  
مگر اپنا یہ حال کہ کسی کام مرغ یا بکرا بھٹک کر گھر کے اندر آجاتا تو بلا تکلف چٹ کر جاتا۔ چار بیٹیاں  
اپنے عقد نکاح میں تھیں۔ لیکن ان کے نان و نفقہ سے ہمیشہ غافل رہا۔ یتیم اور یمواؤں کی امانت  
بہرپ کرتے ہیں یہ طوبی حاصل تھا۔ میری انتہائی بخلت کا یہ عالم کہ خرچ کے ڈبے سے اپنی اولاد  
کو تعلیم و تربیت سے محروم رکھا۔ دیوہ و غیرہ..... اور آج انہیں کردہ گناہوں کی پاداش میں  
جہنم کا گندہ بنا ہوا سزا بھگت رہا ہوں۔

آواز — اور اب مسٹر آپ اپنے تعارف کے بعد یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ کس کا نام  
ہے پاداش میں آپ دوزخ میں رفتیافر وہ ہیں۔

نوجوان کی آواز — میں زیادہ تفصیل میں نہ جا کر یہ عرض کروں گا کہ میری شادی  
تین برس سے ختم نہ ہوئی تھی نہ دس لکے تو میں نے بارات واپس لے جانے کی دھمکی دی تو میرے  
بوسنے والے شہر نے میرے پیر سپاہی ٹوپی رکھ کر مجھ سے عزت کی بیبک مانگی۔ ان کو گڑا گڑا تے  
وہیم کر رہے اندر کا سو یا ہوا انسان جاگ گیا۔ اور ٹی۔ دی اپنے پیڑ بیوی کو رخصت کرا لیا۔ لیکن  
ان کے چند ہی روز بعد وہی اندر سے ہونے انسان وقت جوان کے سمر ہٹا با اور حصول  
ٹی۔ دتی کے لئے اپنی محسوس اور بے قصور بیوی کو اذیت پر اذیت دیتے دکا۔ جب اس پر بھی کوئی  
مناسب راہ نہ مل سکی تو ایک دن طیش میں آکر اپنی بیوی کا گلا گھونٹ کر ہمیشہ کے لئے اسے گہری



نیدر سلا دیا۔ لیکن قسمی سے قانون کی گرفت میں آگیا اور پکارتی پا کر ڈاھل جہنم ہوا۔ تب سے ہر  
تھوڑی تھوڑی دیر پر ٹھیک اسی طرح میرا گلا گھونٹا جاتا ہے۔ جس طرح اپنی بے قصور بی بی کا گلا گھونٹ  
کر موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اس کو تو خیر موت بھی آگئی۔ لیکن یہاں یا رب بارگلا گھونٹے جلنے پر موت  
نہیں آتی۔ حالانکہ ہر وقت موت کو پکارتا رہتا ہوں۔

آواز — اور اب اس پر وگراہ کے آخر میں آپ بھی پہلوان اپنے مختصر حالات سے  
آگاہ کریں۔

پہلوان — میرا نام تو صبر ہوں ہی سا تھا لیکن کافی تندرست ہونے کی وجہ سے  
پہلوان کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ پیشے کے اعتبار سے میں مکھن فروش تھا۔ مکھن فروخت کیا کرتا تھا  
مگر رفتہ رفتہ میرے اندر مدد دینا ہی تے گھر کرنا شروع کیا۔ اور اسی گھر میں ڈالڈا ملا کر بیٹھنے  
لگا۔ اس بے ایمانی قریب اور دعا بازی سے خوب دھن بٹوئے لگا۔ اگر مکھن میں ملاوٹ کی  
شکایت ہوتی تو خدا کی پکڑ سے بے نیاز اپنے گاہکوں کو الٹا سیدھا سمجھا کر مکھن کر دیا کرتا۔ مکھن میں  
ڈالڈا ملا کر فروخت کرتے کا دھند اس اہل سال تک چلتا رہا۔ یہاں تک کہ میری عمر کے دن پورے  
ہوئے۔ اور جہد ہی روز کی علالت کے بعد انتقال کر گیا۔ یہاں تک ہی میرے سر پر ایسا گھر  
پڑا کہ میں پاش پاش ہو گیا۔ اور اب بھرت حال یہ ہے کہ درخت میں عذاب کا ترشتہ مجھے مکھن  
کے مالاب میں غوطہ دے کر باہر لگتا ہے اور دوسرا فرشتہ میرے سر پر گزرا کر پاش پاش کر دیتا  
ہے۔ مگر فوراً پھر اسی حالت میں آجاتا ہوں۔ کھانے کو سڑا ڈالڈا امیر مکھن ملتا ہے جسے یہ شکل  
خلق سے فر دے کرتے ہی تھے کر دیتا ہوں۔ لیکن میری قریبی میں کمی نہیں آتی ..... نہ معلوم  
عذاب کا یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا۔

گھر گراہٹ ..... اور کچھ ایک بھاری بھر کم آواز ..... سامعین دد زخ ہیں  
مقیم چند سامعین سے لی گئی اسے ویو کی ریکارڈنگ ختم ہوئی ایسا پچھین پچھری بائی۔ ہے  
جگر ادا ادا کی دو غزل سماع فرما میں جس کا مطلع ہے  
اے جہاں کی یاد تو آتی چلی گئی

## خدا بچائے ایسے شاعر سے

کیا خبر تھی کہ سامنے والے مکان میں چو کر اُردا رہے ہیں وہ میرے لئے دردِ مر  
ثابت ہو گئے وہ مسرت دوسرے ہی روز صبح نو برسے میرے غریب تھانہ پر کٹن شریف لائے  
اور پڑھاؤں انداز میں مسافر کر کے بولے مجھے بڑی مسرت ہو رہی ہے۔ آپ سے مل کر خالص  
کراں لئے بھی کہتے ہیں ایسا ہے کہ آپ کو شعر و شاعری سے کافی ذوق ہے۔ یہ تاہن بھی آپ کا ذرا  
سے پیدا آتش شاعر ہے جس کو انگریزی میں BORN poet کہتے ہیں۔ کرک تکخلص کرتا ہوں.....  
..... تو لیجئے ایک بھر کتنی ہوئی غزل سنا ہی دیتا ہوں۔

جناب کرک نے جیب سے بیاض نکالی۔ لیجئے ہوئے بال کو اور الجھا کر نرم سے غزل  
سرا ہوئے۔ ان کے نرم کا یہ عالم تھا کہ جیسے رسنگنا پٹو لگا جا رہا ہو۔ ایک ایک شعر بار بار دہیٹنے  
اور مطلق تک پہنچتے پہنچتے دوسری غزل شروع کر دیتے۔ جب وہ چوتھی غزل بھی شروع کرنے والے  
تھے تو میرے نمبر کا پانچ لبر زبید کرک گیا میں نے دست بستہ معاونت کی تیرا وہ بیاض تریب  
ہلکے رکھ کر بولے۔ اچھا تو میں شام کو پھر آ جاؤں گا۔ خوب گزرے گی چوٹ بیٹھیں گے دیوانے دور۔  
دفتر سے آنے پر معلوم ہوا کہ جناب کرک ڈرائنگ روم میں میری قیمتی شال اڑھے چارہ ہی  
بچے میرے منتظر بیٹھے ہیں۔ اور مانگ مانگ کر چار پیالیاں چائے پلا چکے ہیں۔ اور ابھی  
اکھنڈ اسٹنڈ بھجوانے کی بھی ذرا آتش کی گئی ہے..... مجھے دیکھتے ہی بولے۔۔۔ ارے صاحب  
اتنا دیر کر کے دفتر سے آتے ہیں..... آگئے یہی غنیمت ہے..... سمجھیں آپ کی یہ شال  
اس قدر گرم ہے کہ اس کی گرمی سے ایک گر اگر غزل دیکھی ہے۔ اس تہیہ کے بعد جو وہ غزل  
سرا ہوئے تو ان کی رفتار غزل خوان میں برک لگاتے لگاتے بھی دس بج گئے۔ اور منق بہ منق اپنی



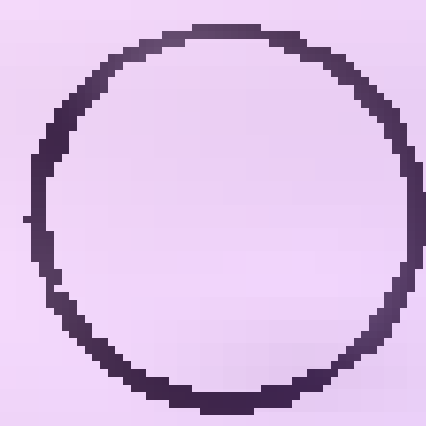




وعدہ سے پیر پر یہاں گرو دی رکھ گئے تھے لیکن ابھی تک اُسے پتہ نہ تھا کہ میں کہاں رہتا ہوں۔

میری اپنی زندگی اور وہی رہا۔ فقیر نے مزید کہا کہ میں نے وہاں پہلے دیکھا تھا کہ میں نے اس وقت میں تالا لگا دیا تھا تو اس وقت میں اسے دیکھا تھا۔ اس کے مکان پر میرا پیر ہے۔ میرا نام دھاکرا ہے۔ اسے دیکھا گیا ہے کہ میں صاحب

اس نے انتہائی غصہ میں تالا توڑ ڈالا۔ اس کے ساتھ ہی میں بھی مکان میں داخل ہوا۔ اندر کچھ سا مال نہ تھا۔ دیواروں پر جابجا کولے سے اشعار لکھے تھے۔ اور نیاب کڑک کی بیانیہ چوٹ کے پاس پٹری تھی۔ جو غیبت میں گر گئی ہوگی۔ اُسے اٹھا کر دستا گردانی کر سنے ہوئے میں نے سوچا۔ اگر یہ شعر سوداہ اردو ایکٹری سے منظر پر کر لیا تو کم از کم میرے ادنیٰ مثال کی قیمت تو ضرور بنی نکل آئے گی۔



# فادرس ٹریننگ سنٹر

ایک وسیع ہال میں سبکدوش بچے جمع ہیں۔ سب ہی دو سال کے اندر ہیں۔ کوئی بچہ کسی کو دھکے دے رہا ہے کوئی ٹانگیں پھین رہا ہے تو کوئی کسی کا منہ توچ رہا ہے۔ اس شور و غل کے درمیان ماسٹر اگے بڑھا گیا۔ یہ اعلان کرتا ہے۔ ..... دوستو! یہ کانفرنس کی کارروائی شروع ہونے والی ہے اس لئے کسی بچے کو انگوٹھا چوستے یا ٹانگیں کھانے کی اجازت نہ ہوگی ہاں جو بچے روتا یا ہیں وہ سفٹوری دیر رو کر غصہ سچ طبع کر لیں۔

کچھ دیر خاموشی کے بعد پھر ماسٹر گڈ وکی آواز مٹا کر کہتا ہے اب جب کہ سارے بچے ٹیبل گیسٹ بچے ٹانگیں کھانے۔ روتے اور انگوٹھا چوستے سے فارغ ہو چکے ہیں تو اب کانفرنس کی کارروائی شروع کرتے ہوئے یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ پہلے کانفرنس کی غرض و غایت کی وضاحت کر دی جائے۔

یہ تو سب ہی بچے جانتے ہیں کہ کسی بھی محکمہ کا رستہ یا فیلڈ ٹری ہیں اس وقت تک ملازمت نہیں مل سکی۔ جب تک کہ امیدوار میں اس کام کے انجام دینے کی صلاحیت نہ ہو۔ تو کیا یہ غلط خبر بات نہیں کہ شادی ایسے اہم معاملات میں کسی کے ٹریفیڈ یا نہ ٹریفیڈ ہونے کا سوال ہی نہ اٹھایا جاتے اور صرف حسب و نسب و درجہ یا فٹ کر کے ہمارے ادا دے کو دامادی ایسے عمدہ بلیڈ پر بھائی کے لئے منتخب کر لیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے کنڈیڈٹ صاحب اولاد ہو کر بچوں کی تربیت و پرورش اس میدان پر نہیں کر سکے جس کی توقع ایک ٹرینڈ تادریس کی جا سکتی ہے۔ مقام ہجرت ہے یا روکے اس میں تاک ہمارے بزرگوں کے ذہن میں ایک ایسا اصول یا سٹرٹاٹم کرنے کا خیال ہی نہ آیا ہے جس میں شادی کے قبل ہمارے آج کے مناسب

اور ضروری ٹریننگ دی جائے۔ لہذا اس کمی کے پیش نظر میں نے ضرورت محسوس کی کہ اپنی اجتماعی کوششوں کے بل پر قادر س ٹریننگ سنٹرل کی بنیاد ڈال دی جائے۔۔۔۔۔ تو وہی اس جانب اٹھی قدم اٹھانے کے قبل اس کے ہر پہلو پر غور کرنے کے لئے یہ کانفرنس بلائی گئی ہے الحمد للہ کہ میری ایک آواز پر یہ وسیع ہال شیرخوار بچوں سے بھرا نظر آ رہا ہے۔۔۔۔۔ تو سب کے پہلے منے میاں سے درخواست کروں گا کہ تشریف لا کر اپنے خیالات سے نوازیں۔

منے میاں انگوٹھا چوس رہے تھے۔ ہڑاڑا کر اٹھتے تو عجیب سے ٹائی کر گئی۔ جیسے اسٹھا کر ایک بچے نے منہ میں ڈال لیا۔ منے میاں کمزور پڑتے تھے۔ خون کے آنسو پی کر رہ گئے۔ اور ہلکتے ہوئے بولے۔

دوستو! ابھی ابھی گڈ و بھالی نے کانفرنس کی غرض و غایت پر جو روشنی ڈالی ہے اس سے بیانات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ اسکیم کس قدر اہم ہے۔ فارروں کے اسٹریڈر رہنے کی وجہ سے ہم شیرخواروں کی جو درگت ہوتی ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ (انگوٹھا چوس کر)۔۔۔۔۔ درستو! اسے وہ بھالی جو عالم وجود میں آئے کو لائن لگائے ہوئے ہیں وہ بھی اسٹریڈر فارروں کے ہاتھوں ہماری ہی طرح کے حالات سے دوچار ہوں گے۔ اس لئے جہاں تک جانا ممکن ہو سکے فاررس ٹریننگ سنٹرل کھول کر مستقبل کے لئے راہ ہمارا کر دی جائے۔

اب اسٹریڈر تشریف لائیں۔ گڈ و میاں نے آواز دی۔۔۔۔۔ اسٹریڈر ابھی انگوٹھا چوس رہے تھے۔ وہ اٹھتے تو وہی لیکن مشکل یہ آپری کی پیٹ میں پٹیاب کر کے نکتے بھورے بھیکے ہوئے پیٹ کو اتار کر نہ نہیں پہنے ہوئے ڈانس پر آ کر بولے۔ یہ میں یہ دیکھتا ہوں کہ میرے دوست بھیکے دیکھ کر مسکرا رہے ہیں جیسے وہ بھی پیٹ میں پٹیاب کرتے ہی نہیں۔ بھورے ہٹنا تو انہیں تنہا ہی زیب دیتا تب خود ان کے اندر بیکزوری نہ ہوتی۔۔۔۔۔ بہر حال یہ عرض کروں گا کہ قادر س ٹریننگ سنٹر کھولنے والی تجویز وقت کی ایک اہم کیا رہے۔ جس پر منے بھالی نے ابھی ابھی علامتہ روشنی ڈالی ہے۔ انہیں باتوں کو دہرا کر آپ کا قیمتی وقت برباد نہ کر کے پُر زور سفارش کروں گا کہ اس اسکیم کو ہر قیمت پر عملی جامہ پہنا دیا جائے۔ اس میں ڈسپائن پر کافی تدارک دیا جائے۔ کیونکہ صحیح معنوں

ہیں اور چلیں تو جن بچوں ہی کے اندر ہوتی ہے۔ ہمارے بزرگوں میں یہ صفت کہاں۔ وہ تو جب سڑی نہیں گئے۔ بیباک نہ ہوئے۔ مٹا دیا وہ مت کرو۔ دراصل انٹر بینڈ فادر ہونے کی وجہ سے ہم بچوں پر مصرت جمانا ہی جانتے ہیں اور پرورش و پرداخت کی صلاحیت نقلی نہیں رکھتے۔ لیکن ذرا سی ٹریننگ سٹرکھل جانے کے بعد یقیناً یہ صورت حال نہ رہے گی۔... ظاہر ہے کہ بزرگ والے ہمارے سٹرک کے ٹرینڈر امیر واروں کو دامادی کے عہدے کے لئے ترجیح دیں گے اور ہاں ایک بچہ بنا اور ہے وہ یہ کہ شادی شدہ حضرات کو بھی ٹریننگ دی جائے جو صرف ایک سال کی ہو۔ لیکن غیر شادی شدہ یعنی کنواروں کی مدت ٹریننگ تین سال لازمی قرار دی جائے اور ہم بچوں کو پورا اختیار حاصل ہو کہ دوران ٹریننگ اگر وہ شرارت کریں تو ہم انہیں زیچ پر کٹا کر سکیں۔ اور مصروف محوس ہونے پر ہم انہیں کلاس میں مرغای بھی بنا سکیں۔

اور اب چہو میاں شریف لاکر اظہار خیال فرمائیں۔ ماسٹر گڈ وٹنے آواز دی۔ ماسٹر بنو روتے روتے سو گئے تھے۔ اٹھائے جانے پر اماں اماں کہہ کر روتے لگے لیکن محیب کا نفرنس میں سو بزرگی کا احساس ہوا تو انگوٹھا جیس کر بولے۔

دوستو کیا کہوں کچھ کہا نہیں جانا۔۔۔۔۔ اور بڑے کہے رہا بھی نہیں جاتا۔۔۔۔۔ تو فخر مخمفر بہ ہمارے دل رات امی اور ابی نہ جانے کس بات پر رات بھر آپس میں لڑتے تھکاتے رہے وہ تو کہتے کہ نعمت خانہ کھلا تھا جس میں سے میں نے پنہاں رکھ لئے اور ڈانیاں جیب میں ڈال کر کانفرنس میں شرکت کے لئے چلا آیا ہوں۔ اور ثابیدیہ وجہ ہے کہ تنگنوی دیر کے لئے نہ بیباک کے لگ گئی تھی۔۔۔ تو دیکھا آپ نے ایسے ہوتے ہیں انٹر بینڈ فادر جس میں اتنی بھی واقفیت نہیں کہ بچے ماں باپ کے اخلاقی اور غیر اخلاقی کردار کا نمونہ ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے اچھے اخلاق کا نمونہ ہمیشہ پیش کرنا چاہیے۔۔۔۔۔ حاصل کلام یہ کہ یہ بچہ ہمیشہ یوں ہی چلتا رہے گا۔۔۔ جب تک کہ ہم بچے ہونے والے فادروں کی اصلاح کے لئے بیٹہ پر نہیں ہوتے۔ لہذا اس حکیم کو غصہ جاسہ پہنا کر یہ ثابت کر دیں کہ جس کام کو ہمارے بزرگ نہ کر سکے اُسے ہم شبیر خوار بچوں نے کر کے دکھا دیا تو ان کے لئے باعث شرم ہے





## معاف کیجئے گا

ہے تو یہ ایک چھوٹا سا جملہ لیکن افادیت کے لحاظ سے کوئی بڑا سے بڑا جملہ اس کے  
نگر میں نہیں آ سکتا۔ کم از کم میں تو اس کی افادیت کا قائل ہوں کیونکہ اس کی گونا گوں کرشمہ سائیاں  
اور مشکل کشائیاں میں نے دیکھی ہیں۔ ایک واقعہ تو آج بھی میرے ذہن میں اس طرح تازہ ہے  
جیسے کل ہی کی بات ہو۔

میں دلت سے آ رہا تھا۔ ایک صاحب مجھ سے کچھ آگے چل رہے تھے۔ وہ بار بار پیچھے کی نگاہ  
مڑ کر دیکھتے اور پھر تیز تیز قدموں سے چلنے لگتے۔ ایک بار جو انہوں نے مستحضرانہ میں ہونک پڑا۔  
.... ارے یہ تو میرے کالج کا ساتھی ہے جو دارمست کے سلسلہ میں ایک عرصہ سے باہر تھا۔ یقیناً یہ  
کسبخت مجھے دیکھ کر مشیارہ پہنچے یہ خیال آتے ہی میں نے دل میں کہا۔ اچھا بچو۔ انجان بن کر مذاق  
اُڑاتے کا وہ خرہ چکھاؤں گا کہ کچھ دن یاد کروں گے۔ پھر تیز قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب  
پہنچ کر ایک زمانے دار چیت پیچھے سے رسید کیا۔ اور اب جو دیکھتا ہوں تو وہ حضرت کوئی  
اور ہی شخص تھے۔ اس اچانک حملہ سے ان کے ہوش بکھار رہے تھے۔ پھر بھی سخیل کر جوابی حملہ  
کرتے ہی دالے تھے کہ میں نے بھاری سے کہا۔ معاف کیجئے گا۔

ایک بے تکلف دوست کے شہر میں یہ تھا مجھ سے سرزد ہوئی..... وہ حضرت  
تہہ آلود نظروں سے گھورتے ہوئے آگے بڑھ گئے لیکن جیت نکبیرا اور ان کا سامنا ہوا وہ اپنا  
سر ہلاتے ہی رہے۔

میں کراچی گیا ہوا تھا بسیر کی غرض سے آکوٹھ لے کر نکلا۔ لیکن وہی میں رات نہ سہول گیا  
ایک ادیب سڑک کے آدمی کو قریب ہی کھڑا دیکھ کر میں نے پوچھا۔۔۔ اسٹیشن روڈ کا راستہ ادھر ہی کو جانا

ہے ماموں: اس کے جواب میں ہوا میں گھونسلہ پلاتے ہوئے وہ بولے۔ تمہارا ماموں ہوگا کوئی اور حرام زادہ۔ کٹھنہ واکھی مزہ چکھاتا ہوں کسی کو سر راہ ماموں کہنے کا۔۔۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ مزہ چکھائے کو آگے پڑھیں۔ میں نے کہا۔۔۔ معاف کیجئے گا۔ دراصل مجھے چاہنا تھا عجلت میں ماموں کہہ کر مخاطب کرنے کی گستاخی مجھ سے سرزد ہوگئی۔۔۔۔۔ یہ تیر شیبک نشانی پر بیٹھا۔ اور وہ حضرت مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

یہ دوسرا واقعہ بھی کراچی ہی کا ہے میں کسی شریک سے گزر رہا تھا۔ کہ اپنا تک ایک بزرگ سائے مجھے آدبوچا۔ اور بزرگانہ شفقت کا اظہار کرتے ہوئے بولے۔ اب یہ حالت ہوگئی طوطا چشمی اور بدخلق کی کہ بیشہ کا لڑکا کراچی آئے۔ اور مجھ سے ملے بغیر چلا جانے۔۔۔۔۔ میں نے بھونچکا ہو کر عرض کیا۔ معاف کیجئے گا میں تو جناب نظیر۔۔۔۔۔ ہاں ہاں وہ جھٹ سے بولے۔ نظیر، بیشہ، تلہیر۔۔۔۔۔ یہی نا کہنا چاہتے ہو تم۔۔۔۔۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاعری کرنے لگے ہو۔ تب ہی توبہ قافیہ بند ہی ہے۔ اور پھر مافی صورت بنا کر بڑے بڑے ہائے میرا دوست بیشہ بے وقت پچھ گیا مجھ سے ابھی تک مجرم کی شکل آنکھوں میں گھومتی ہے جس کی ہو ہو تصور میر تم ہو۔ خدا تمہیں جیات کا بڑا کرے۔ میں نے پھر مہت کر کے عرض کیا۔ معاف کیجئے گا میں تو جناب یہ نظیر حسن۔۔۔۔۔ ہاں ہاں۔ وہ اپنی گرفت اور ضبط کرتے ہوئے بولے۔ میں خوب سمجھتا ہوں تم اپنا پچھا چھڑانے کو بہانے تراش رہے ہو۔ لیکن غرضم اس سے کام چلنے کا نہیں۔ تمہیں اپنے گولے جا کر کچھ کھلائے پلانے کے بعد ہی چھٹی دے نکلتا ہوں۔ یہ کہہ کر میرا ہاتھ پکڑے ہوئے اپنے خوب صورت ڈرائنگ روم میں آئے۔ جہاں ان کی اہلیہ ٹی وی پر ڈرامہ نہ بکھرتی تھیں۔ وہ اسٹو کر جانے لگیں تو میرے بزرگ چچا بولے۔ اچی سجاگی کہاں جارتی ڈرامہ۔ یہ تو بیشہ کا وہی لڑکا ہے جس کو تم۔ وقت گزریں لئے پھر کرتی تھیں۔ آج نے وہ اتنا بڑا ہو گیا ہے۔ لیکن وہ مختصر تمہیں نظر دل سے مجھے دیکھتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔ اور ادھر میرے چچا نے نعمت خانہ کھولا۔ شیبک ساٹا اور میں گلنے اکال کر میرے آگے رکھا اور دست شفقت پھرنے ہوئے بولے۔ لو کھاؤ شروع کرو۔ شرم نے کی ایسی تھی۔ اگر پھر تمہارے معاف کیجئے گا کی رٹ لگانی تو

مجھ کو رائجے تمہاری گوشمالی کرنی پڑے گی۔

ابھی شکل ایک سی گدی معلق سے نیچے اتار اٹھا کہ دروازے پر چوڑیاں  
بھجنا ہیں۔ اور ساتھ ہی زنجیر کی ہلکی سی کٹھا کٹھا ہٹا میرے فرنی پڑا مدح فرما کر کہہ کر اٹھے اور  
بہلے۔ دانت تاکہ میں دم کر دیتی ہو جگمگم بھی۔ سہلا یہ کون سا موقع تھا مجھے اندر جانے کا۔۔۔  
... تو عزیزم میں ابھی آیا میرے واپس آئے تک نشتری سمات ہو جانی چاہئے۔۔۔۔۔ درخت۔۔۔  
دوسرے کمرے سے کھسک پھیر کی آواز ڈھانگ رو تم تاک پہنچ رہی تھی۔ میرا دل زور زور  
سے دھڑک رہا تھا کہ مجھے چاہیے بھلائے ہو۔ یہاں تک کر پوئے۔ معاف کیجئے گا۔ شری علی انہی ہوں  
میں۔

ان کی اس غلط فہمی اور شرمندگی سے نڈرہ اٹھا کر باتی پچھے ہوئے دو ٹیک بھی اپنی جیب  
میں ڈال کر میں نے کہا۔۔۔ معاف کیجئے گا میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ معاف کیجئے گا۔  
سمات کیجئے گا کا استعمال طلبا میں بہت مقبول ہے۔ انکول اور کالج جاتی ہوتی لڑکیوں  
سے طلباء اکثر ملتا جلتے ہیں۔ اس کمرہ کا ایسا ویسا نتیجہ بھی نکل سکتا تھا لیکن "کمرہ" کے فوراً پوئے  
کیجئے گا۔ اس تیزی سے زبان پر آ جاتا ہے کہ حاصل نتیجہ صفر ہو کر رہ جاتا ہے، اور ویسے لڑکیاں  
بھی ایسے اتفاقیہ کمرہ کا بہت کم اثر لیتی ہیں۔

یس ٹیکے ہیں دیہکتی۔ پس پس میں داخل ہوا تو سارے ٹیکے بھر چکی تھیں۔ ایک میس  
نئی تھی جس پر رومال رکھا تھا۔ اس رومال کو جب میں نے ڈالا کہ میں اسی بیڈ پر بیٹھ گیا۔ پھر  
میں پر بعد ایک شخص بیٹھ گیا۔ اس نے کہا کہ پوئے۔۔۔ معاف کیجئے گا بہت بہت ہے۔ میں نے اس پر  
رومل رکھ دیا۔ پھر میں نے ذرا اپنی جیب سے رومال نکال کر ان کے حوالہ۔۔۔ کہتا ہوں۔ معاف  
کیجئے گا۔ میں نے سمجھا تھا کہ یہ میرا رومال ہے۔ لیکن میں اسی بیڈ پر بیٹھ رہا ہوں۔

جیہ کی تھکے بعد دو صاحبان چادر کا کونہ پکڑے۔۔۔ چند وقت گزر گیا ہے ایک  
میں۔ چادریں پانچ کانٹ ڈال کر دس کانٹ ڈال گئے ہیں۔ جب چند رومال گرنے والے  
پڑ گئے ہیں تو وہ شرمناک ہیں۔ معاف کیجئے گا۔ دراصل مجھے دو کانٹ ڈالنا تھا۔ بات یہ

ہے کہ میرے چٹرہ کا پاؤں ٹھیک سے کام نہیں کر رہا ہے۔

ایک صاحب میں جو ریٹائر ہو چکے ہیں۔ وہ ہر روز صبح سویرے میرے غریب خانہ پر تشریف لے آتے ہیں۔ اور کھٹوں سے منگنی کے بعد جاتے لگتے ہیں تو یہ ضرور ارشاد فرماتے ہیں۔ معاف کیجئے گا۔ میں نے آپ کا بہت وقت لیا۔

ٹرین میں وقت کاٹنے کے لئے اخبار خریدنا دراصل دوسروں کے لئے خریدنا ہے۔ اور اخبار خریدنا نہیں کہ نفل دلے مرنے کا ہے۔ معاف کیجئے گا ذرا ایک منٹ اخبار دیکھ سکتے ہیں لی ہر ہے کہ اخلاقی آپ ہی دیں گے پھر وہ کہیں واپس نہیں مل سکتا۔ کیوں کہ ایک مسافر سے دوسرے مسافر بھی ایک ہی منٹ کے لئے مانگیں گے۔ یہاں تک کہ اخبار ایسا لاپتہ ہوگا جیسے آپ نے خریدنا ہی نہ تھا۔

معاف کیجئے گا کلاس سہارا اخبار کے ایڈیٹروں کو اکثر لینا پڑتا ہے۔ وہ بھی کاتب صاحبان کے سلیپ آف پن کی وجہ سے پتہ نہیں کتابت کرتے وقت کاتب صاحبان عالم تخیل میں کہاں پہنچ جاتے ہیں کہ ہاشم عظیم آبادی کو ابلین عظیم آبادی لکھ جاتے ہیں۔ اب ایڈیٹر صاحب معاف کیجئے گا کہہ کر معذرت نہ چاہیں تو اور کیا کریں۔

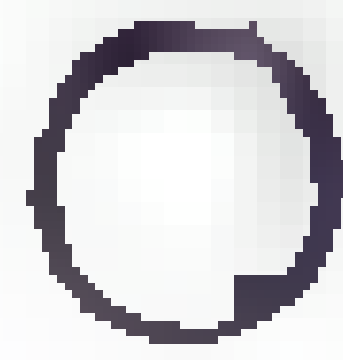
ایک شاہ صاحب کے دست سوال پھیلانے پر میں نے دس پیسے کا ایک سکہ ان سے منیسل پر رکھ دیا۔ تو وہ حضرت پیسے لڑا کر انہما ہمارا تسلی کرتے ہوئے بڑے۔ آپ مجھے مہکا سمجھ رہے ہیں۔ شاید معاف کیجئے گا۔ میں بھکاری نہیں خاندانی قبہ ہوں۔ ایک سو روپیہ سے کم قبول نہیں کرتا۔

میں سینا ہاں میں داخل ہوتا ہوں۔ پھر شروع ہو چکی ہے۔ اور حال بالکل تاریک ہے۔ میں اپنی سیٹ تلاش کرتا ہوا آگے بڑھتا ہوں کسی کے پیروں پر اس بھاری بھر کم پر بیٹھ جاتا ہوں۔ اور میں معاف کیجئے گا کہتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہوں پھر تاریکی میں تالی سیٹ سمجھ کر کسی قانون کی گود میں بیٹھنے لگتا ہوں۔ وہ مجھے پڑے ڈھکے ہوئے کہتی ہیں۔ ارے صاحب یہ آپ میری گود میں کیا دھتے پڑے ہیں۔ خالی سیٹ تو نفل میں ہے۔ اور میں معاف

گیسے کا کتا بڑا الٹا لی سیٹ پر بیٹھ جاتا ہوں۔ لیکن خام ختم ہونے کے دس منٹ پہلے ہی پاں سے باہر نکل آتا ہوں۔ اس ڈر سے کہ اس خاتون کا شرہر کہیں اس پاس ہی نہ بیٹھا ہو۔

میں ایک تیلی کلی سے کز رہا تھا کہ ایک کوکٹے سے پانی کی کچرہ بندیں مجھ پر پڑیں۔ میں نے گردن اٹھا کر یہ آواز بلند پوچھا۔۔۔ ارے صاحب یہ کیا پانی ہے جس کی بوندیں ابھی مجھ پر پڑی ہیں۔ یہی آواز سن کر ایک بوڑھے میاں کوکٹے سے نیچے جھانک کر لے لے۔۔۔

معاف کیجئے گا۔ یہ کوئی ایسا ویسا پانی نہیں ہے۔ یہ تو ابھی منٹے تے پشیاں کیا ہیں۔ اس کی چھپاؤں آپ پر پڑیں ہیں۔ پھر بھی معاف کیجئے گا۔۔۔











رسید کر دیا تو ہم سجاگ کھڑے ہوتے ہیں قیں قیں کو رستے ہوئے۔ توبہ توبہ۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے کیا خوب کہا ہے کسی شاعر نے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

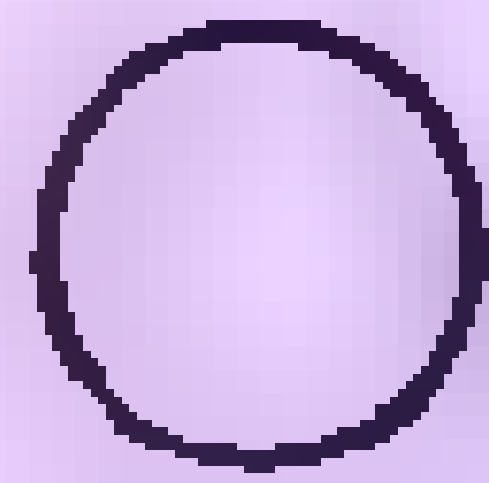
ہم کہتے طاقت پر وارہیں رکھتے۔ مگر معنی کے لحاظ سے یہ شعر ہم بھی کنوئیں پر بھی چرپاں ہوتا ہے۔ یہاں پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہماری قوم اگر انسان کا ساتھ نہ دے۔ ان کا ساتھ نہ لے۔ اور ان کے تہگے دم نہ ہلائے تو کھائے کہاں سے انسان سے وابستگی ہی تو ہمارا ذریعہ معاش ہے۔ ہم اپنی فلاح و بہبود یا الگ کو نوٹی بنانے کی بات تب ہی سوچ سکتے ہیں جب کوئی ایسا انقلاب آئے کہ ہم کہتے بھی حضرت انسان کی طرح کھیتی باڑی کر کے فکر معاش سے خود کفیل ہو جائیں۔

اب ایک مرلی کہنے ڈانس پر قدم رکھا۔ جو کچھ دیر پہلے نالی میں بیٹھا دنیا اور اس کی بے ثباتی پر غور کر رہا تھا۔ ڈانس پر آکر اس نے بدن جھارنا تو اس کی یونیدیں پڑیں سامنے بیٹھے ہوئے۔ ڈیلیگیٹس پر۔ مگر ان کی غراہٹ نظر انداز کر کے اس مرلی کہتے تے پتی تقریر شروع کی۔

بھائیو! اس دانشور کا اصل موضوع ہے اپنے تبارت بڑھو رک کی مناسب راہیں نکالنی۔۔۔۔۔۔ تو اس سلسلہ میں یہ واضح کر دوں کہ میری ساری زندگی اسی دشت کی بیماریاں ہیں گزری ہے تب ہی تو آپ صاحبان نے مجھ سے اس کہ غور و فکر کرتے کرتے اس حالت کو پہنچا ہوں کہ میرے جسم میں صرف ہڈیاں ہی ٹاریاں رہ گئی ہیں۔ لیکن مسئلہ غور و فکر کے بعد بھی انسان کے پیگل سے تھکا رہا پانے، خود کفیل ہونے اور آزادانہ زندگی بسر کرنے کی کوئی سبیل نہ نکال سکا ہوں۔ میں نے اپنی قوم کے دانشوروں، بزرگوں اور سائنس دانوں سے بھی مشورہ کیا لیکن وہ سب کے سب ڈم نہ پا کر بھاگے۔ پھر بھی میں نے اپنی انتھاک کو شش اور غور و خوف کے بعد ایک مناسب راہ نکال لی ہے۔ اور وہ ہے

نیملی پلاننگ عیسائی ہم دو اور ہمارے دو۔ لیکن کنوڑی اڑھن یہ سامنے آتی ہے کہ ہماری  
 لیڈر ایک جھول میں چھپے کچے کچے تو لہ فرمائی ہیں۔ پھر بھی اگر نیملی پلاننگ کو ہم سارے کئے  
 اپنالیں تو فلاح و بہبود کے بہت سارے راستے خود نکل سکتے ہیں۔ اس طریقہ اردو کا تمام  
 ست اگر ہماری قوم کے افراد فائدہ نہ اٹھائیں تو اس سے بڑھ کر ہماری حماقت اور کیا  
 ہو سکتی ہے فلاح و بہبود خود ہمارے قدموں پر بچاؤ رہو گے۔ مگر۔

پہلے سداً تو کہے ایسا کوئی ذوق سلیم  
 یکا یک نیملی پلاننگ کی مخالفت اور موافقت میں دو جماعت ہو گئی۔ اور  
 دونوں گروہ میں اس قدر دھینگامشتی اور ہنگامہ آرائی ہوئی کہ چند آثارہ لڑکے یہ  
 شور و غل سن کر آپہنچے اور اکٹریں نے جم کر اس قدر ڈھیلا بازی کی سارے کئے بھاگتے  
 نظر آئے اور اس طرح کتوں کی کانفرنس افریقہ کی حالت میں اختتام پذیر ہوئی۔





## مرض شاعری کے نین اسٹیج

شاعر اگر پیدائشی ہوتا ہو تو یہ ادب و تہ سے دور نہ رہتا ہر شاعر ہی چھوٹے کا مرض ہے۔ جو کسی شاعر کے Icarus میں آجاتا ہے اسے ایک تندرست اور نوازا آدمی شاعری کے جراثیم سے متاثر ہو کر انشا رکھنے لگتا ہے پہلے اسٹیج میں یہ تو اشتہار میں کمی آتی ہے اور نہ کسی طرح کی انتہا۔ یہ اپنی محسوس موزوں ہے۔ بس ہوتا ہے کہ موزوں اور غیر موزوں انشعار کا سزا دل ہوئے لگتا ہے۔ اسی اسٹیج میں شخص کی تلاش ہوتی ہے۔ مگر تھراپسٹ اور والدین نے کوئی شخص بھڑا ہوا تب تو یہ شخص اپنے پڑے پڑے یہاں تو یہ رول سے پھینک دیا جاتا ہے اور بگڑتا ہے۔ وہ تو نیت سے کہ انٹرنیٹ اور مشاعرہ شرا کی پہنچ سے محفوظ ہے۔ مجبوراً گھسا پٹا شخص رکھ کر مر رہی ہے شاعر ہونے کا اعلان کر رہا ہے۔ اس کے بعد کسی کے لئے رائے ادب نہہ کرنے کا سوال درپیش ہوتا ہے، انشاء اپنی غزل تو تھیں لکھ لکھ کر استاد شاعر کی خدمت میں حاضر ہو کر موزوں بیٹھ جاتا ہے۔ استاد تو وارڈ کی خدمت فرشتی سلام اور انداز نشست سے سمجھ جاتا ہے ہیں کہ صاحبزادے ان کی قرائت کا بیٹھنا۔ رسالہ اسٹیج اپنی خالی بیوی کے لئے ہے۔

مرض کے دوسرے اسٹیج میں مرضی کو چھپ چھپانے کی کوشش ہوتی ہے۔ اس ذوق کی تکمیل کے لئے انباروں اور رسائل میں تانہ اور باتیں کا لام بچکر مدد پر ان کرام کی نظر عنایت کا منتظر رہتا پڑتا ہے۔ اگر کہیں کوئی تنجیق کسی رسالہ میں شائع ہو گئی تو آنجناب پر شاعری کا ایسا نشہ چڑھتا ہے کہ رسولِ حاتم کے ذرائع سے یہ نیاز ہو کر زلفِ بلبلائے سخن کے سلجھانے میں شبِ درود پہلے رہتے ہیں۔

شاعر تجرخیل میں خیالات کی بیسی ڈالے اشعار کی پھلیاں پکھناتے ہیں مشغول ہے  
دور فانسے پر دستک کی آواز سن کر باہر نکلتا ہے۔ ایک صاحب پر قلموں انداز میں مڑا کر  
کر کے فرماتے ہیں۔ قصہ یہ ہے ہریان کہ میری اہلیہ کو پہلا بچہ تولد ہوا ہے۔ اس خوشی میں  
امادہ تھا کہ اظہار مسرت کے لئے بیاندڑوں کو بلوالوں۔ لیکن اہلیہ کہتی ہیں کہ بیاندڑوں سے  
کہیں زیادہ رونٹا محفل مشاعرہ برپا کرنے سے ہوگی۔۔۔۔۔ تو وہی اہلیہ کی رائے سے متفق  
ہو کر آپ کو مدعو کرتے آیا ہوں۔ قیام اور طعام کا بھی معقول انتظام ہے۔ بچے کی ولادت سے  
متعلق اشعار کہہ کر لانا نہ بھولے۔

شاعر کے دل کی کلی اس وقت کھل جاتی ہے جب کہیں برپا ہوتے والے مشاعرہ کا  
دعوت نامہ ملتا ہے۔ اگر طرحی مشاعرہ ہے تو مصرعہ طرح پر اچھے سے اچھا شعر لکھنے کی دھن  
میں حضرت شاعر کئی کئی راتیں آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دیتے ہیں۔ اور جب مہربان کرنا  
غزل کے ساتھ مشاعرہ لوٹ لینے کی خیالی دنیا عالم تصور میں بسائے مالک پر غزل سراہوتے  
ہیں تو اپنے کو اس بلندی پر پہنچا ہوا محسوس کرتے ہیں جہاں تصور کی روائی ممکن نہیں۔ لیکن  
جب سامعین کی طرف سے تالیاں بکتے، جوتے رگڑتے، کھانسی کا دورہ پڑتے۔ سینیاں نہننے  
بھیجتے، چلا تے اور ماتم کرنے کی آوازیں آتے لگتیں ہیں تو یہ حضرت کوئی راہِ ذرا نہ دیکھ کر  
صاحب صدر کے پیچھے کال ٹیپلا کر بیٹھ جاتے ہیں۔

مرض شاعری کے اسی تیسرے ایٹم میں اپنا کلام کتابی شکل میں پیش کرے گا جنور  
سوار ہوتا ہے۔ الٹے دن رات ایک کر کے مجموعہ کلام کسی آزاد و اکید میں داخل کر کے  
الٹے سے لکھتے ہیں۔ اگر حیات کی ڈوری مضبوط رہی اور تقدیر نے ساتھ دیا تو بھی نہیں  
کتاب کی طباعت کے لئے مالی تعاون حاصل کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی جاتی ہے۔

مرض کے تیسرے ایٹم میں شاعر کو اشعار سناتے کا دورہ پڑنے لگتا ہے جب تک  
کسی کو بچہ مار کر اپنا کلام کلام نہ سنائے اس کو چین نہیں ملتا۔ ایک ایسے ہی مرض کے پیٹ میں  
بذات خود آپکا ہوں۔ جس کا نام کرہ دہی سے خالی نہ ہوگا، ہوا یہ کہ دادی اماں کے انتقام



## نانی عشق

نانی عشق نے اپنے دور حیات میں نہ جانے کتنے انقلابات دیکھے ہوں گے۔ بدلتے ہوئے فیشن نے طرز کے پہاڑے۔ اور طرح طرح کے زیبائش کے طریقے لیکن وہ پرانی وضع کی پابند نہ کر لکیر کی نقیر بنی رہی۔ نانی عشق کے بیٹے آکر زمانہ کی بدلتی ہوئی روش کے مطابق پر پیرزہ نکالتے یا بیٹوں سے کسی کو بھی مال پہواز دیکھتیں تو نانی عشق اکھیں خوب کھینکا کرتی۔ کہ نہ پتہ نہ آگے باہر کی مسیوم ہوا کا ذرا بکواس نہ ہوتا تو ان کو کبھی نہ بخشیں۔ اور اس روز تو نانی عشق کے مزاج کا پانچ اٹھائی ڈگری کو بھلی یاد رکھو گا جب بڑی بوہال تر شا کر اور جادوں بنوا کر سیلون سے لوٹیں۔ نانی نے حسب عادت خوب اکھاڑ پھینڈ مچائی۔ بیکہ۔ ہورانی نے بھی وہ راق پراق سنائی کہ نانی کی بولتی ماری گئی۔ لیکن بوریانہ نے اسے اپنا سارا غصہ سبے چاہے مانا پیرا مارا۔

اب نانی عشق ہو کی مہورت سے بیزار رہنے لگیں۔ لیکن چالاک ہونے والی کا بدلا ہوا تیور دیکھ کر ان کو ایسا مسٹھی میں کیا کہ نانی سارے گلے شکوے بھول کر ہنس دے۔ جو چیلوں میں دھبچپ بننے لگیں۔ اب جھانکھو کہ ہونے والے ڈرامے میں اس کا کون سا کردار ہے۔ اگرتہ سمجھ کر رہا ہوں سے منہ نہ ہونیں۔ اپنا سے پہلے پڑھ کر کہ اس قدر مرثا اور ذہن نشین کر لیں کہ نانا کو کبھی فیشن کی یہ چیزیں اٹھانا اگر سنے کی سنت ناکید کرتیں۔

کچھ دنوں بعد جب نانی آئیں تو وہ بھی فیشن پرستی میں بڑی ہوئے چار ہفتہ آگے گئیں لیکن بڑی جیسو کے زیر اثر نانی اس قدر بدلتی چکی کہیں کہ سمجھتی ہوئے کے ناپسندیدہ ترکاٹے کچھ کر بھی اٹھار من نہ کر لیں۔

ایک دن کبھی ہی ٹھیکریں بڑی ہوا اپنے خوش رہے پولیس۔ آج اماں کو بھی اسکوٹر پر بیٹھا کر ڈیٹا تھا تو دیں۔ یہ سن کر نانی غصہ اپنے سر پر دو ہتھ مار کر لے لیں۔ تو بہ کر دہو۔ ایسا کیا بھی کیا کہ اس عمر میں اسکوٹر پر چڑھوں گی۔ لیکن دونوں بہوؤں نے مل کر نانی کو ایسا گھیرا کہ مجبوراً اسٹین بہوؤں کی بات مانتی ہی پڑی۔ پہلے تو نانی ڈیر میں لیکن جب سچا سٹا جاتی رہی اور جو مسئلہ بڑھا تو اسکوٹر سے اترتے کا نام ہی نہ لیتیں۔ یہاں تک کہ پٹرول ختم ہو کر اسکوٹر خود ہی رک جاتا۔

نانی غصہ کے بار بار کہنے پر نانا بھی یہ مشکل اسکوٹر پر چڑھتے کو تیار ہوئے ان کے صاحبزادے نانا کو اسکوٹر کے پیچ بیٹھا کر تیزی سے سڑک پر نکل گئے سمٹوڑی ہی دیر بعد جب وہ روئے تو نانا نے مہ پیٹ لیا۔ کیونکہ نانا اسکوٹر کے پیچ نہ کھتے۔ ہم لوگ دوڑے نانا کی تلاش میں۔ دیکھا کہ نانا میاں ٹنگڑا تے چلے آ رہے ہیں۔ آتے ہی نانی سے بھٹا کر پوئے۔ یہ تمہارے ہی پکا دوسے ہیں اگر میں اپنی مٹی پیدا کر بیٹھا۔ راستے میں مجھے نیند کی ایسا غلبہ ہوا کہ اسکوٹر سے لڑھک کر چاروں شانے چت بیچ سڑک پر گرا۔ جب مندر کر کے اسکوٹر پر چڑھا یا بے خواب ہل دی چونکا بھی چڑھ ڈ۔

تیسری ہوا اپنے ساتھ ٹھیکریں لی۔ دی لائیں۔ پہلے روز ٹی۔ دی پر چتر مار دیکر کر نانی غصہ نے اپنے مستہ پر آنچل ڈال لیا۔ اور نانا کو پاس ہی کھڑا دیکھ کر انہوں نے ہٹکا را۔ ذرا شرم بھی نہیں آتی آپ کو۔ جو دیر بھٹاڑے پرانی عورت ناپختہ تھکے دیکھ رہے ہیں۔ نانا بے چارے ایک سواری تھک تھک کی طرح مسخ لٹکائے بیٹھک میں پلے آئے ہیں چند ہی روز بعد نانا کی دلچسپی لی۔ دی کے پروگراموں سے اس قدر بڑھتی کہ چتر مار کا پروگرام شروع ہوتے ہی نانا کبھی نہ بردستی جیسٹ لائیں۔ لیکن نانا چتر مار دیکھنے کے دوران تو بہا متغیر کیستے رہتے۔

ٹی وی پر طرح طرح کے اشتہار کی تصاویر دیکھتے دیکھتے نانی کو کبھی اپنے سفید بالوں کو سیاہ کرنے کی دھن سوار ہوتی۔ نانی نے نانا سے اس کا تذکرہ کیا۔ تو نانا غلام حیرت میں



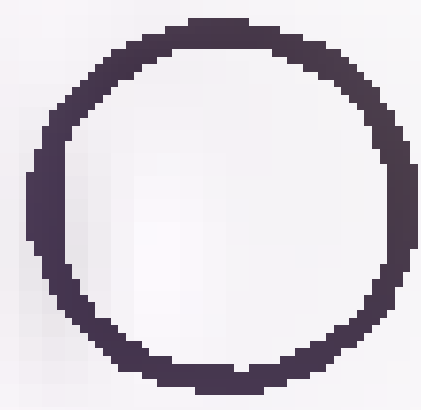
زمین سے تقریباً دو فٹ ہوا میں معلق ہو کر بولے۔ استغفر اللہ! دماغ تو ہمیں کھٹک گیا ہے تمہارا۔ جو ناتی پڑتے والی ہو کر جوان بننے چلی ہو۔ میں بو بھتا ہوں۔ آخر تمہارے سفید بالوں میں کون ایسے کیڑے پڑے ہیں جو انہیں سیاہ کرنے کے چکر میں ہو۔ لیکن نانا پر کچھ ایسی دھن سوار تھی کہ نصیب بوا کو یازار پہنچ کر خضاب کی شیشی منگوا لی اور اپنے سفید بالوں کو سیاہ کر کے نانی نے آئینہ میں اپنی مورت دیکھی تو انہیں اپنی جوانی لڑتی نظر آئی۔ اتہالی مسرت کے عالم میں دوڑیں نانا کی بیٹیاں کی طرف۔ اُن سے اپنے کارنامہ کی داد لیتے۔ ایک نانا نے دھول بٹھڑک کر جو اپنا منہ پھیرا تو اُن وقت تنہا کسٹھ پیرے ہی بہت جیت تاک کہ نانی ستر تھوختا لٹکائے واپس نہ ہو گئیں۔ نانا کی اس بے رخی سے نانی کا دل جل گیا۔ اب وہ نانا سے منہ پھیلانے رہیں۔ ان کا ماستہ اور کھانا نصیب بوا سے باہر بھجوا دیں۔ جب ہفتوں رس کشی میں گزار گئے تو نانی ان شرط پر نانا سے سمجھوتہ کرنے پر راضی ہوئیں کہ وہ ایک گھنٹہ کے اندر اپنے سر اور دائرے کے برابر سیاہ کر کے دکھائیں بھورانا اسٹے اور پیچھے بنیا کے یہاں بیٹانے بال سیاہ کرنے کی نہ جانے کون سی شیشی حوالہ کر دی کہ جسے لگاتے ہی نانا کے چاروں ابروؤں کا صفایا ہو گیا۔ انا کی یہ درگت دیکھ بھڑوؤں کا ہنسنے کا حال ہوا گیا۔ ورنہ نانا میں کہ منہ پھیلانے پھر رہے ہیں۔

اس کے درساں بھاری چٹکتی ہوئی کار سے اترے تو بے پینہ بے نانی نے کبھی میکی نہ رکھی تھی۔ یہ اُن کے لئے ایک نئی چیز تھی۔ جیسا تو ان قدر دم بہت سے پیشین کا بڑا سن کر آئی ہے۔ یگانہ بہت از روز خوش سے بعد نانی نے یہ منجملہ کہا کہ میکی لٹکا۔

کے الگ۔ کڑا تاشن کی چیز ہے۔ دن ان چاروں بھڑوؤں نے یہ پروگرام نانا کہ آج کسی طرح نانا کو میکی پہنایا۔ یہ دیکھ کر اُن نے طاق بھڑوؤں نے نانا کو گھبراہٹ میں بھلائی کہ میکی پہنیں بہت امر کر کے پر بھڑوؤں کا دل رکھنے کو نانی نے میکی لے لی اور اس کو نانا کے کمرے میں کھوٹی پٹانگ دی لیکن صبح سویرے جب نانی میکی تلاش کرتی ہیں تو اس کا کہیں پتہ نہ پھٹا۔ نانی نے کونا کونا جہان مارا۔ وہ جہان انہیں کونا لٹکے کمرے سے میکی آخر کون لے

اڑا۔ تانی اسی شش و پنج میں تھیں کہ نانا میکی پہنے لپکتے ہوئے آتے دکھائی دیئے قریب آتے ہی منہ بسوڑ کر بولے۔ اجی کیا بتاؤں۔ صبح کی نماز کے لئے جلدی میں مسجد جاتے وقت کوئی پرنگی ہوئی میکس کو اپنا رنگا سمجھ کر پہنے ہوئے مسی چلا گیا۔ دوسری رکت میں تب اس بچہ ل کا اس ہوا تو نیت توڑ کر چلا آ رہا ہوں۔ وہ تو خیر بیتا ہے کہ ابھی کپڑے چھپا نہیں ہوا ہے اس لئے امید ہے کہ کسی نے مجھے میکی پہنے ہوئے نہ دیکھا ہوگا۔

نانی غٹو مسکراتے ہوئے بولیں۔ اگر آپ کو میکی پہنے ہوئے کسی نے دیکھ بھی لیا ہو تو اس نے آپ کو مر د ٹھوڑا ہی سمجھا ہوگا۔ جب کہ خیر سے آپ کے چاروں ابروؤں کا پتلے ہی صاف یا ہو چکا ہے۔ اور جب دھوکے میں آپ نے میکی پہن لی ہے تو ٹھوڑی دیر اور بیٹھ رہیں۔ تاکہ آپ کی چاروں ہونٹیں بھی دیکھ لیں کہ میکی پہن کر مرد کی صورت کیسی نکلتی ہے وہ بھی بڑھا ہے میں۔



## مردوں کی کانفرنس

رات کا سناٹا دو بجے شب کا وقت - اور قبرستان میں اس قدر سچم - مگر یہ کیا یہ تو سب ہی کفن پوش ہیں..... اور وہ سانسے علی قبروں میں کیا لگا رہے..... ذرا دیکھوں تو سہی..... ایسے مردوں کی کانفرنس -! تو کیا اب یہ مردے بھی اپنی کانفرنس بلاتے لگے - تو کیوں نہ اس درخت کی آڑ میں ہو کر کانفرنس کی کارروائی دیکھی جائے۔

جب بہت سارے مرد قبروں سے نکل کر گورستان میں اکٹھا ہو گئے تو ایک سرد میاں ایک پختہ قبر پر چڑھ کر بولے - اس قبرستان کے سب سے بزرگ مردہ جناب شین مرحوم کا اہم گرامی مردوں کی کانفرنس کی صدارت کے لئے پیش کرتا ہوں۔ اس تجویز کی تائید سب ہی مردوں نے کی۔

جناب صدر یعنی شین مرحوم کفن پر پڑے گوردوغیار جھاڑ کر بولے اس عزت افزائی کے شکریہ کے بعد جناب غین مرحوم سے گزارش کر رہا ہوں کہ وہ نشر لیا جائے۔

جناب غین مرحوم بولے گویا ہوئے۔ بھائیو - میرا دم توڑنا سنا کہ میری اولاد نے کفن دفن میں اس قدر محبت کی کہ جیسے وہ سب ہی میرے مرنے کے منتظر ہیں....

... اور یہ کفن جو مجھے دیا گیا ہے اسے آپ حضرات دیکھ ہی رہے ہیں کہ کس قدر گھٹیا ہے۔ اگر ایسا ہی معیاری کفن دینا سناؤ تو کھدڑ کا کفن دیئے ہوتے جو ایک حد تک ٹھیک پڑتی بھی ہے۔ اسی کھدڑ کے ٹھیلے میں ایک مردے کے قبر میں ڈالنا کہ نہ کیا گیا۔ کیونکہ...

بولے فرشتے اس کے گنہ سب معاف ہیں  
کھدڑ کا پورا گنہ ان پٹے کفن میں ہے



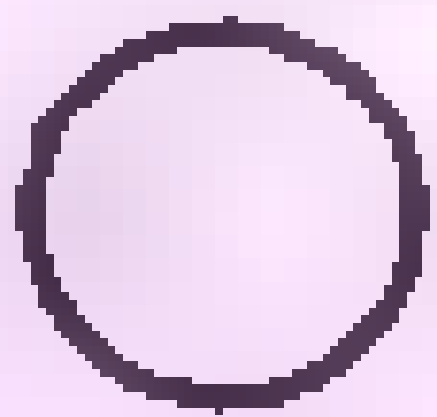
کی تصدیق کر دی۔ اور کفن و دفن کی تیاری ہونے لگی۔ اب اسے میری بدقسمتی کہنے کہ سکتے  
 وہی کیفیت جاتی رہی۔ نہیں چلنے لگی اور میں اٹھ بیٹھا۔ دیکھا کہ سر راستے لوہان دانی میں  
 لوہان جل رہا ہے۔ اور ہمارے لوگ روپیٹ رہے ہیں۔ میں نے لوہان دانی اٹھالی اور چلتا ہوا  
 کمرے سے یا ہر نکلا ہی تھا کہ گھر کے اندر بھگدڑ مچ گئی۔ میری بیوی اور بچے ایک دوسرے  
 سے پیٹ کر چلائے لگے۔ محلہ کی مسجد کے پیش امام جو میری رعیت کی خبر سن کر تشریف لائے تھے  
 انہوں نے کچھ پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا، لیکن جب ان کی طرف بڑھتا ہی چلا گیا تو وہ حیح مار کر  
 بھگنے لگے تو میں نے ملتی ہوئی لوہان دانی ان پر پھینک ماری۔ اب صورت حال یہ تھی کہ عید صفر  
 جانا لوگ بھاگ کھڑے ہوتے۔ یا دروازہ بند کر کے گھر کی سے جھانکتے۔ آخر یہ حالت بھوری  
 ایک دیرانے میں جا کر پتاہ لی۔ اور وہیں بے یار و مددگار زندگی کے دن پورے کرتا رہا۔  
 اور یہ کفن جو میرے جسم پر پہنچ رہا تھا اسے بغل دے دے سے زبردستی چھینا ہے یہ ہے اس  
 ناچیز مردے کا مختصر داستانِ حیات۔

اب جناب طوقاں مرحوم تشریف لائیں۔ جناب صدر نے پکارا طوقاں مرحوم حاضرین  
 مردوں پر ایک طائرانہ نظر ڈال کر بولے۔ مردے کھائو! میں اپنے دورِ حیات میں ہمیشہ عوام کے  
 فلاح و بہبود کی باتیں لیدرانہ انداز میں کرتا رہا تھا مرنے کے بعد بھی وہی انداز نہ کر رکھتا ہوں۔۔۔  
 .... آپ غور فرمائیں مرتے ہی ہم مردوں کی کوئی شخصیت یا اہمیت باقی نہیں رہتی۔ ہماری قبروں میں  
 ایک مٹولی دری یا چٹائی سہا نہیں بچھائی جاتی۔ قبر پر اس قدر تنگ کہ اٹھ کر بیٹھا پائیں تو  
 پیڑن سے سر ٹکرائے۔ اور یہ مقام حیرت نہیں تو اور کیا ہے کہ ہر طریقہ کار میں نمایاں تبدیلیاں ہوں  
 لیکن تجرید و تکفین کے طریقہ کار میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ آخر ایسا کیوں۔ کیا سائنس کی ایجاد سے  
 سے ہم مردوں کو فائدہ اٹھانے کا کوئی حق نہیں۔ ہماری قبروں میں کھلی کی روشنی کا انتظام کیوں  
 نہیں کیا جاتا۔ کیا ہماری بستی کے لئے ریڈیو اور ٹیلی ویژن میاں نہیں کئے جاتے۔۔۔۔۔ سبھی  
 میں تو قبر میں بے کار پڑا ہوا آئینہ بایا کرتا ہوں۔ اور اب تو شاید اس کی کبھی کویت نہ ملے کہ جو نہ  
 آئینوں کا اسٹاک ختم ہونے کے قریب ہے۔ لہذا میں یہ مشورہ دوں گا کہ آئندہ آئینوں



مردوں کے لئے ایسی مادہ ہمار کی جلتے کہ قبروں کو سامنی آلات سے مزین کرنے کے بعد  
 ہی مردے دفنائیں جائیں۔۔۔۔۔ اس طرح ہم سارے پرانے مردے بھی اس سے مستفید ہوسکے  
 گئے۔۔۔۔۔ اور نہت چاہوں گو۔۔۔۔۔ مردوں کی کانفرنس نہ ہر دہاؤ۔

جناب! مرد کی زبانی اپنا نہ من کر جناب! وہ دم حرم لے سکتے ہوئے تشریف لائے دفن  
 پوشا ضرور کئے لے کہ یہ نہ کہ سر چھپاتے تو پیر کھل جاتا، اگر پیر چھپاتے تو سر کھل جاتا۔ بہت دیر  
 یہ ای کشمکش میں رہنے کے بعد اپنی کوشش میں ناکام رہ کر انھوں نے لب کشائی کی۔ جناب  
 علوم حرم کا یہ کہنا حقیقت پر مبنی ہے کہ ہم مردوں کی قبریں اس قدر تنگ بنائی جاتی ہیں کہ نہ تو  
 اہل بیت لے سکتے ہیں اور نہ بغیر اغت پیر پھیلانے کی کتبہ کش رہتا ہے۔ اور تاریکی اتنی کہ ہاتھ کو  
 بانٹ نہ سکتا نہ دے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ ایک ایک قبر میں ستر ستر مردے دفن کئے جاتے ہیں۔  
 خود میری قبر میں اب تک پچاس مردے دفن کئے جا چکے ہیں۔ اور مزید یہ معلوم اور کئے مردے  
 دفن کئے جائیں گے۔ تب ہی تو کہا جاتا ہے کہ ایک ایک قبر سے ستر ستر مردے نکلیں گے ظاہر  
 ہے کہ سور کھونکے جلنے پر ہر مردہ چاہے گا کہ وہی سب سے پہلے قبر سے باہر نکلے۔ اس کوشش  
 میں خوب ہی آپس میں دھینکا مشتی ہوگی۔۔۔۔۔ اور ہاں تب کے اندر کوئی کسب تک پڑا۔  
 ہے اگر کبھی تفریح طبع کے خیال سے قبر سے باہر نکلا کبھی تو قبرستان کی زبوں حالی دیکھ کر اس قدر  
 طبیعت کڑ ہو جاتی ہے کہ پھر قبر میں آئیے آہوں۔۔۔۔۔ حضرت مہاد مرمم ابھی کچھ اور کہنے والے  
 ہی تھے کہ جناب! مدد چلائے۔ بھاگو اور علیہ سے اپنی اپنی قبریں داخل ہو جاؤ۔ وہ دیکھو  
 سامنے درخت کی آڑ میں کوئی زندہ شخص ہم مردوں کی کانفرنس کا ہائی دیکھ رہا ہے۔ بھاگو بھاگو  
 یہ کہتے ہوئے جناب! مدد ہی سب سے پہلے اپنی قبر میں جاتے۔۔



## پہلے شے

یہ تو ظاہر ہے کہ سب سے پہلے رشتہ حضرت آدم اور ما حوا کے درمیان قائم ہوا اس کے بعد رشتوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا جس کا شمار انکیوں پر ممکن نہیں۔ ان سبھی رشتوں میں "دوں کا رشتہ برابر مضحکہ خیز ہے کسی راہ چلتے کو اسوں کہہ کر پکار تولیں وہ راہ گیر مارنے اور مرنے پتھل جاتے گا۔ اس کے برعکس چچا کا رشتہ ایسا بے ضرر ہے کہ کسی کو بھی بے کھٹکے چچا کہہ کر ٹوکریں دے جائیں۔ لطف یہ کہ بعض پیتے بھی ایسے ہیں جو اموں کے رشتے سے کم مضحکہ خیز ہیں۔ مرغی بچتے والے کو مرغی والا کہہ کر تو پکاریں۔ وہ مرغی والا ایسا غصناک ہوگا جیسے کسی نے اس کو ماں کو گالی دی ہو، ہمارے بزرگ بھی مرغی: اے ہی کی طرنداری میں فرما میں گے۔ میاں مرغی والا نہیں کہتے یہ بہت بری بات ہے جب بھی پکا نا ہو تو مایہ: الا کہا کرو۔ لیکن میری بھو میں یہ بات نہیں آتی کہ ایک شخص جو مرغی بچتا ہے وہ مرغی والا کہے جانے پر پالتش زیر پا کیوں تولے..... تو چھوڑ بیٹے مرغی والے کو یہ تو درمیان میں بات آگئی تھی۔

نانی کا رشتہ بھی کم عجیب و غریب نہیں کسی عورت کو نانی کہہ کر پکارنے کی غلطی سرزد ہو جائے تو وہ جوتی لے کر مارتے کو دوڑے گی۔ نانی کہنے سے ایک ایسی عورت کا تصور تولے جو بوڑھی نہیں تو اذیت فرورہے یہی وجہ ہے کہ عورتیں نانی ہو جانے پر کہیں نانی کہلانا پسند نہیں کرتیں۔ اس طرح اپنی عمر کم بتانے میں ان کو دشواری ہوتی ہے۔

پتہ نہیں نانی مرے کا انتقال کب سے شروع ہوا ہے جو ضرب المثل بن گیا ہے۔ ایک نام علم امتحان کیا: سے نکل کر کہا ہے۔ سوال اتنا بیماری تنہا کر چھو نانی مر گئی۔ اور دفتر میں کام کرنے والوں کی نوروزی نانی مرا کرتی ہے۔ خاص کی جیب ٹبل پر کام بہت زیادہ ہو۔ ایسے سرکاری ملازمین

کی دوسان طرزت کم از کم بین پچیس مرتبہ تو ضرور ہی تانی مرتبہ ہے۔ وہ س طرح کی یہ بھی چٹی کی ضرورت ہوئی اپنی درخواست میں تانی کو دے مارا۔

یہ بیلف و پچیس سے فالی نہ ہوگا کہ پیری تانی سنت علیل تھیں۔ ۱۰ روزہ رست کی سر ڈپر رہی تھی۔ صبح سویرے نہا کر غسل خانہ سے نکلا تو سردی کا شد احساں ہونے پر میں بولا اٹھا۔ اتنا پانی اس قدر سرد تھا کہ پیری تانی مر گئی۔ یہ کہنا تھا لکھنے بزرگ رام چچ گیا۔ تانا جان بے ہوش ہو گئے۔ اور اللہ گئے پڑے۔ ان کے کمرے کی طرف۔

دوڑیا۔

اور سامے کے رشتے کا نیپو چھنا ہی کیا ہے۔ میرا ہی ایک شعر ملاحظہ ہو۔۔

کوئی محبوب کہتا ہے کوئی مطلوب کہتا ہے

تماشا بزم میں دیکھے کوئی پیغم کے کعبائی کا

میں ایک مدت سے طے کیا وہ اپنے سال سے باتیں کر رہے تھے مجھ سے مدافحہ

کے بعد اکتولت فرمایا۔ آپ ان سے بھی ملیں یہ میں میرے سالے بہن کر سالے صاحب چراغ

پا ہو کر بولے۔ تم سالے۔ اپنی حرامزادہ بے باز نہ آؤ گے کسی کا سار ہونے کا یہ مطلب کھڑا ہی

ہے کہ اس کا اعلان لاؤر اسے پکیر کر کیا دیتے

یہ تو سالے اور بزمی کی بات ہوئی لیکن اس رشتے کا استہلال غصہ کی حالت میں بھی کی جاتا

ہے۔ مثلاً یہ کہتا کہ سالے کو۔ سالانہ وہ رالا نہیں ہوتا۔ اسی طرح اکثر لوگ کو گفتگو کے

دوران سالانہ کی عادت ہو جاتی ہے مگر انھیں اس کا احساں نہیں ہوتا۔ ایک پانی نے اسی

عادت کے مطابق دوسرے پانی کو سالانہ دیا۔ اس نے اپنے افسر اعلیٰ سے شکایت کی تب

اس سے کیفیت طلب کی گئی تو اس نے جواب دیا۔ حضور میں کبھی بھی اس سالے کو سالانہ نہ دیا۔

سالانہ کی طرح سالی کا استہلال بھی غصہ کی حالت میں کیا جاتا ہے مثلاً یہ کہنا کہ دہائی

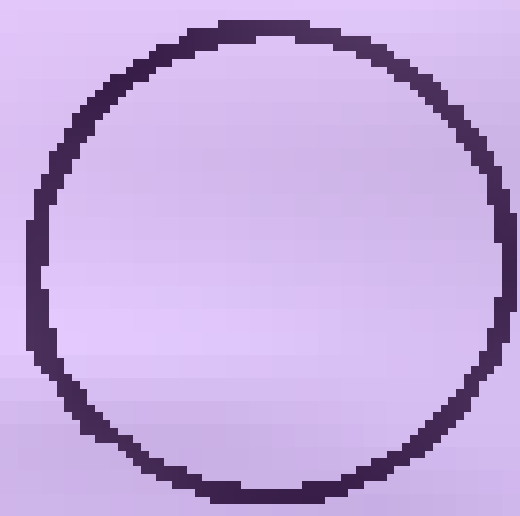
بڑی حرامزادی ہے۔ سالانہ وہ اس کی سالی نہیں ہوتی۔ اور پھر یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی

کہ سالانہ سالی سے منافی کا رشتہ کیوں اور کب سے قائم ہوا۔ بھلا یہ کبھی کوئی رشتہ ہے

کہ دو لہا یا نو کو سالہ اور سالی کے مذاق کا تختہ مشتق بننا پڑے اور مذاق بھی ایسا کہ غریب کو دن میں تار سے نظر آجائیں۔ یہاں یہ ضرور ہے کہ سالی کا رشتہ بڑا اہمیت کا حامل ہے۔ سالی کو اینٹرو  $270^\circ$  کوٹنا بھی کہتے ہیں۔ ادھر المیہ نے داغی اہل کو لیدیک کہا ہتھیں کہ اس ریترو کوٹلے سے ایک سالی یہ آسانی عقد نکاح میں آجاتی ہے جس کو عورتوں کی زبان میں گھر پلٹ کہتے ہیں۔

رشتوں میں کثیر ال رشتہ ساس اور سرسہ کا ہے۔ نہ پانچے پر بھی ان کا احترام کرتا ہی پڑتا ہے۔ ان دونوں رشتوں کی بہت ساری مشابہتیں ہیں۔ ساس اور سرسہ کے قبل نینا خلیا جوڑنے کے جائیں رشتے کی ایک طویل فہرست تیار ہو جائے گی۔

دیگر رشتوں کی طرح سالوں کی بھی چند قسمیں ہیں۔ میرے ملے نے اپنے سالہ کا شمار کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔ یہ ہیں میرے لٹرو دھو سالہ میں نے ان کے کہنے سے لٹرو دھو سالہ تو اس قبیل تسلیم کر لیا۔ لیکن آج تک یہ نہ سمجھ سکا ہوں کہ لٹرو دھو سالہ کے معنی کیا ہیں۔ اور ملے کا سالہ لٹرو دھو سالہ کیوں کہلا یا۔ جب رشتے کے حساب سے لٹرو دھو سالہ لاہو مکتا ہے تو لٹرو دھو سالی بھی نہ ہوتی ہوگی۔ لیکن آپ کی دعا سے ابھی تک لٹرو دھو سالی سے میرا واسطہ نہیں پڑا ہے۔



# سُسنہ دوہرا عیسوی میں برپا ہونے والے مشاعروں کی ایک جھلک

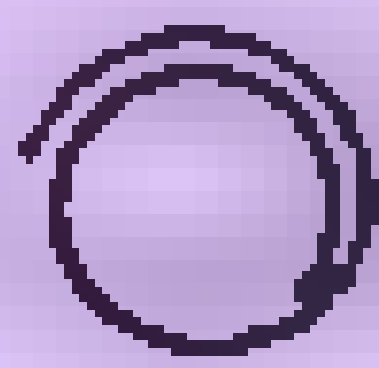
وقت کے ساتھ ہر چیز بدلتی ہے رسم و رواج بدلتے ہیں۔ طرزِ رہائش بدلتی ہے اور  
قیس بن بدلتے ہیں۔ غرض کہ ہر شعبہٴ حیات میں نمایاں تبدیلی آتی ہے۔ جیسا ہمارے مشاعرے اس سے  
کیوں مستثنیٰ رہتے۔ ان کے اندر بھی تبدیلیاں آئیں۔۔۔۔۔ ایک دور وہ کہی تھا جب مشاعرے  
معزز سفر اور سامعینِ کرام کی مختصر بیٹھا ہوا کرتی تھی۔ شعر از حسنِ عزت و احترام سے بلند ہونے  
اسی عزت و احترام کے ساتھ واپس ہوتے۔ نہ ہو شرب۔ نہ فقرے بازیاباں اور نہ ہو تنگ بھر  
اس مشاعرے کی بجز ہوتی صورت سامنے آئی نہ شعر اکی عزت سلامت اور نہ سامعین کی عزت محفوظ  
رہے۔ یہ سب کچھ کس کی بگڑی چھالی جاتی ہے اور کب کس شاعر کا قافیہ تنگ ہوتا ہے۔  
مشاعروں کی بدترین صورت سسنہ دوہرا عیسوی تک آنے والی ہے۔ یہ کوئی پیش گوئی  
بہنس بلکہ قیاس آرائی ہے۔ اس دور کے مشاعروں میں ڈانس پر طلبہ سازنگی اور باریو نیم کا خاص اہتمام  
رہے گا۔ شوارح و حفات لہکا، شلوار اور پتو از بہن کر ڈانس پر تشریف فرما ہوا کریں گے۔ اور  
اڑھیاں اڑھ کر کلام سنایا کریں گے۔ نقیب مشاعرہ ایک ایسی بوڑھی نالکھ ہوا کرے گی  
جو شعرا کی برائے راگینوں اور ان کی کلر کاریوں پر سیرِ خال تبصرہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ شعرا  
کو ان کے سازندوں اور طبیبوں کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا۔ شعرائے کرام دبیرک سال  
ملاسنے کے بعد غزل سرا ہوا کریں گے۔ سامعین کی جانب سے عموماً گیت کی فرمائش ہوا کرے گی  
ڈانس پر شوالے کرام کے آگے اور پیچھے آئی جگہ باکری سے گی کہ وہ اپنے اشد رنجر بھڑک کر



اور بھاؤ بتاتا کر سناہیں۔ سامنے ہی دوران غزل خوانی وہ نفس بچی کرے جائیں گے۔ تحت لفظ  
پڑھنے والے شاعر کو کتنی کمر پیا اور کان پر ہاتھ رکھ کر غزلیں سنائیں گے۔ اس دہریہ غزل کا شمار  
کی بڑی قدر و منزلت ہوگی اور غزل گو شعرا مستحکم چھپائے پھر جائیں گے۔ زیادہ تر شاعر خود ہی بازو نیم  
بجھا کر غلام مرزا نالیند کر دیں گے۔ طبیعتی اور سادگی بچانے والے ان کا ہاتھ دیں گے۔ اگر کسی سے چہرہ  
شاعر سے غالب کی زمین پر غزل سنا ہونے کی حاکمیت سے رد ہوگی تو اس پر گنہگار اندھے اور بے  
ہوشے ٹھانڈی کی بارش ہونے لگی۔

شعرا کو معقول مواد و منہ کے علاوہ انعام سے بھی توازا جائے گا۔ انعام و اکرام کا مستحق وہی  
شاعر ہوگا جو کلمے تھمرائے، بھاؤ بتائے اور قیاس کرنے میں سب سے بازی لے جائے گا  
اس دور کے شاعروں میں واہ واہ یا کمر مرثاد کی صدائیں سنائی دے دیں گی۔ سامعین ڈانس پر پیسے بھیک  
کر دے دینے پر تیار رہیں گے۔ جسے شعر ادا کرنا سنانے کے دوران بڑے بڑے کرناہی اور طبعیوں کے آنچل میں  
باندھتے جائیں گے۔

نظامت کرنے والی نائکہ آخر میں اعلان کیا کرے گی کہ شاعر کو کتنی چھوٹے نوازا گیا۔  
انعام شاعر پر ڈانس پر بیٹھے بھی شعرا اپنی اپنی اور صبا اور ہر کورس کے انداز  
میں گیت گاکر سامعین کو محفوظ فرمائیں گے۔





دورانِ بچہ احساس ہوا کہ جیسے مجھ میں طاقت پرواز ہے اور میں پرندوں کی طرح فضا میں اڑ سکتا ہوں۔ اور واقعی اس تیز رفتاری سے فضا میں اڑا کہ ایک تیز رفتار سوانی جہاز مجھ سے بازی نہ لے جاسکا۔ اب تو نہ پوچھئے، میری خوشی کا عالم۔ فضا نے آسمان کے سینکڑوں میل کا پیکر دکھانے کے لیے بکریہ ٹریک کے اس بلڈ راؤ پر بڑا کر دیا۔ جس میں گہری نقاب ہے۔ اور وہاں سے جو لمبی اڑان سمجھ رہی تو گاندھی سیتو پر کچھ دیر پہلے قادی کر کے پرواز کر رہا تھا۔ اگر وہ اپنی آیا تو دیکھا، خلیفہ جی کفن سی رہے ہیں۔ مسری بھی لا کر رکھی ہے۔ اور بھاٹے کے غداں میرے مردہ جسم کو غسل دے رہے ہیں۔ غسل کے بعد کفن کو پوری ایک شیشی عطر سے معطر کیا گیا۔ یہ دیکھ کر میں نے جھک کر میت کے کان میں کہا۔ کہو دوست زندگی میں تو عید اور یو عید میں عطر نہ رت سو لگھتے کو ملتا تھا۔ اور آج مر کر یہ عطر ہے کہ عطر کی پوری شیشی سے تمہارے کفن کی پوتائی کی بار سی ہے۔

جنازہ تو تیار ہی تھا لیکن معلوم ہوا کہ جنازہ اٹھائے جانے میں ابھی کچھ دیر ہے۔ تو میں نے سوچا چلو فضا نے بسیط کا دو چار پیکر اور لگا لوں۔ پھر خیال آیا کہ اس دوران کہیں لگ جنازہ کے نکل نہ جائیں، لہذا گھر میں رہنا مناسب سمجھ کر اپنی لائبریری میں کچھ دیر مطالعہ کے بعد اپنے روم میں آیا۔ وہاں عبادت کے لئے آنے ہوئے کچھ لوگ بیٹھے ہیں، بار سے میں باتیں کر رہے تھے۔ انہیں میں سے کسی نے کہا، مرحوم بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کی ذمہ داری کا یہ عالم کہ ایک وضع جو اختیار کر لی تو اس پر تا دم آخر قائم رہے۔ گری میں سفید شیر دانی اور جاڑے میں سیاہ شیر دانی ان کا مخصوص لباس تھا۔ جس میں کبھی فرق نہ آیا۔ اپنا ذمہ داری کے متعلق خود جرم نے اپنے ایک شعر میں اشارہ کیا ہے۔

اک وضع پہ تائید میں قائم رہا گر سپہ  
رنگ اپنا بدلتی رہی دنیا مرے آگے

تب ہی یکا یک میری نظر اپنی شیر دانی پر پڑی۔ جو ہنگام میں ٹنگی تھی۔ اسے دیکھ کر بے ساختہ میری خواہش پھٹنے کی ہوئی۔ میں نے بڑبڑ کر کے شیر دانی ہٹا کر اسے پہن کر بال میں ٹھیلنے لگا میری شیر دانی کو بغیر کسی سہارا کے منہ پر کبھی نہ دیکھا کہ سو گواروں پر دہشت طاری ہوئی

جب ان کے ہوش بکا ہوئے تو پیشی نام صاحب اپنے اوپر کچھ دھکر کے بولے۔ شبیر خان کا آپا  
 سے آپ میسر سے نکل کر حرکت میں آنا کوئی معمولی بات معلوم نہیں ہوتی۔ جسے نظر انداز کر دیا جائے  
 میں تو یہ سمجھا ہوں کہ یہ کوشش ہاشم غلبہ آبادی مرحوم کی بے چین مرد سہیل ہے۔ لہذا کفن کے اوپر سے  
 ان کی بد پسند شیر ذاتی پہنا دینا ہی قرین مصالحت ہے۔ ان کی رشتے سے اتفاق کر کے میری  
 شہ۔ ذرا بچے پہنا دی گئی۔ اب موذن صاحب نے یہ شوٹ چھوڑا کہ جب شیر ذاتی پہنا دی گئی ہے  
 تو مرحوم کو ان کے چوڑوں سے کبڑی محروم رکھا جائے۔ اس رشتے سے بھی اتفاق کر کے مجھے جوتے  
 پہنا دیئے گئے۔ عبادت کرتے والوں میں ایک شاعر بھی تھے۔ اکیسویں دور کی جوتی تو تر تھکے ساتھ  
 بولے۔ ہاشم مرحوم کی بشارت بہت کمزور تھی۔ وہ عمر بھر چشمہ لگاتے رہے ظاہر ہے کہ بینائی کی کمزوری  
 کی وجہ کر فیکر کی سہ دودھ اور شہد کی نہریں دیکھنے میں اور حوران جنت کے حسن جہاں سوز سے  
 لطف اندوز ہونے میں بڑی دلت کاماتا ہو گا۔ لہذا میرا مشورہ یہ ہے کہ مرحوم کو چشمہ بھی لگا کر اس  
 کمی کو بھی پورا کر دیا جائے۔ اس شورہ کو بھی عام پہنانے میں میرے ساعز کو چکھا ہٹا تھی۔ کیونکہ آج تک  
 کسی کو چشمہ لگا کر دنیا باز کیا تھا۔ چشمہ بھی ہاں نہیں کہ بعد میرے جلد فاقی کو چشمہ بھی لگا دیا گیا۔ ...  
 ... کچھ دیر بعد زور زور سے کلمہ پڑھنے کی آواز سن کر کمرے سے باہر نکلا تو کیا دیکھا ہوں کہ لوگ  
 مسہری اٹھائے جنازہ لئے جا رہے ہیں۔ میں بھی لپک کر ساتھ بولیا راستہ میں سرچا مجھ سے  
 اچھا تو یہ نکال پڑا ہی رہا۔ اس وقت کیا تھا ہڑ میں اس کے آرام سے مسہری پر دراز چار لوگوں کے  
 کندھوں پر چلا ہوا ہے۔ اور ایک میں ہوں کہ پیر گھسیٹے چل رہا ہوں پھر لوگوں کو باری باری کندھا  
 دینے دیکھ کر میری خواہش بھی کندھا دینے کی ہوئی۔ میں نے بڑھ کر مسہری کی بائیں جانب  
 کندھا دیا تو جو حضرت پہلے سے کندھا دیتے ہوئے تھے کسی اچھا نہ خودت سے مسہری کا پایا  
 چھوڑ کر چپٹے ہوئے پہلے گئے ان کی چیخ سن کر پھر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ ادھر کندھا دینے کو بڑھے  
 مجبوراً میں ہی کندھا دیتے رہا۔ کیونکہ اگر اس طرف کا پایا چھوڑا ہوں تو مسہری ڈس بیٹھیں ہو کر  
 مردہ زمین پر گر جائے اور ادھر لوگ یہ دیکھ کر حیران نہ رہیں کہ وہی طرف میں شتموں کے سہارے  
 ہونے کے باوجود بائیں جانب کوئی نہ پاؤ نہیں۔ لیکن میرا تو برا حال ہو رہا تھا۔ مگر کرنا ہی کیا تھا

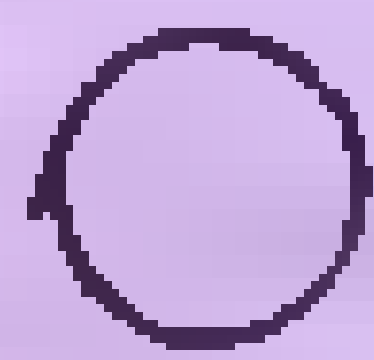
یہ معیت میں نے خود ہی مول لی تھی۔ قہر اکر کے جنازہ گورستان پہنچا۔ اور میں نے راحت کی سانس لی۔

اب مجھے اپنے کردہ گناہوں کا خیال آیا۔ اور یہ سمجھی کہ قبر میں منکر و نکیر کے سوال و جواب کا سامنا ہوگا پہلے تو مجھ پر دہشت سی ماری ہوئی۔ اور بدن میں لرزہ بھا۔ اور پھر اس خیال سے اطمینان ہوا کہ قبر میں پوچھے جاتے والے سوالات تو پہلے ہی سے آدٹ ہیں۔ تشفی بخش جواب دے کر اچھے نمبرے پس کروں گا۔ اور اگر گناہوں کی پاداش میں دھڑ پکڑ ہوئی بھی تو بہانہ تراشی سے کام لے کر صاف صاف کہہ دوں گا۔

پکڑے جاتے ہیں دہشتوں کے لکھے یہ تاحق

آدمی میرا مال پر دم شریب میں تھا

میں انہیں خیالات میں گم تھا کہ میرے جہد قہر کی قبر میں اتار کر منہ کھول دیا گیا کہ جس کا جی چاہے ہاشم عظیم آبادی کا آخری دیدار کرے۔ میں بھی اسی ہجوم میں قبر کے کنارے کھڑا تھا۔ ابھی پٹوں پر ابھی کیا جا رہا تھا کہ پیچھے سے کسی نے اتنی زور سے مجھے دھکا دیا کہ میں گڑ کے بل اتار ہا قبر کے اندر دھکا کھا کر قبر میں گرتا تھا کہ میری نیند ٹوٹ گئی۔ اور میں کلمہ پڑھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔





ملک الموت سے انٹرویو

میں :- دُعا کا سلام ۔ مگر معاف کیجئے گا ۔ میں نے پہچانا ہوں آپ کو

ملک الموت :۔ میں ملک الموت ہوں

جیسے — ایں ! ملک الموت کو بھی یہ شکل انسان پائے گی ابھی تو نہ تجھے میرے مرنے

کے

ملک سے الموت ہے :۔ ہر نے کے دل نہیں ہوا کرتے حضرت سادقؑ کسی وقت بھی آ سکتی ہے ۔

میرے :- تو آپ کس ارادے سے شریف لکھتے ہیں ملک الموت سبھاٹی ۔

سکھانوشہ ۱۔ تم مجھے بہت یاد کرتے تھے، اس لئے چلا آیا۔

میرے :- یہ تو جھیک ہے ڈیر ملک الموت لیکن آپ کو یاد کرتے کیا یہ مطلب تھوڑا ہی تھا

کہ آپ اچانک یہ نفس نہیں تشریب لے آئیں : میرا شک ہوتا جا رہا ہے ذرا

ایک گلاس پانی پی لیوں دوست۔

ملک سے الوداع ہے ۲۔ یقین دلاتے پرکھی کہ میں روح قبضہ کرنے نہیں آیا ہوں تم اس قدر متروک ہو چکے

ہو کہ شے کبھی بچاؤ کہتے ہوں تو کہیں دوست۔ لیکن یاد رہے مسٹر کہ میں نہ کسی کا

دوست ہوں اور نہ کسی کا بھائی ۔

۱۔ اب مجھے یقین آگیا کہ آپ میری روح قبض کرتے نہیں آئے ہیں۔ لہذا میں

آپ کا خبر مقدم کرتا ہوں ..... یہ آپ کھڑے کہوں ہیں۔ تشریف رکھیں۔ آپ

کی موجودگی۔ مے فائدہ اٹھا کر حیدر سوالات کرنے لگیں۔

نہایت ہے : شاید تمہارا مطلب میرا اثر دیکھنے سے ہے۔ کوئی بات نہیں پوچھو جو پوچھا جاسکے۔



میرے : روح قبض کرنے میں آپ کو رحم بھی آیا سمجھی ۔

ملکے المرنجہ : اگر تم کرتا پھروں تو کمر چکا ڈیوٹی ۔

میرے : آپ کی کٹ ریشٹا آوری سے گھبراہٹ کے اندر دست بھری ہے وہ

دائرہ بیاں سے اس پر ہے کیا آپ ٹھنڈا لینا پسند کریں گے یا گرم ۔

ملکے المرنجہ : یہ ٹھنڈا اور گرم تم ہی کو بیمار ک ہو ۔ ہم لوگ اس تیمنت سے بے نیاز ہیں

میرے : اور آخر میں یہ بتائیں کہ ہر ذی روح کی روح آپ قبض کرتے ہیں ۔ آپ

کی روح کون قبض کرے گا ۔

ملکے المرنجہ : اسے یہ کیا سوال کر دیا تم نے ۔ ساتھ ہی ان کا چہرہ زرد پڑ گیا ۔ اور زبردست

لرزہ طاری ہو ۔ جب ہوش بچا ہوئے تو وہ بولے ۔ ہاشم صاحب موت اس میں

خونناک اور دل دہلاتے والی ہے کہ تمہارے یاد دلانے پر مجھ پر لرزہ طاری

ہو گیا ۔ اور وہ بھی اس شدت سے کہ وہ تھپا جس میں روح قبض کر کے جمع کرتا تھا

ہاں تھا اس سے جھوٹ گیا ۔ اس سے تائدہ اٹھا کر بہت سی رو میں نکل بھاگیں

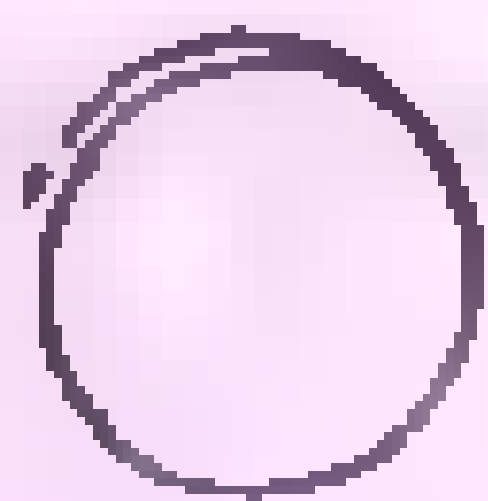
لیکن اطمینان یہ ہے کہ یہ جھگڑی رو میں بھاگ کر عا میں گ کہاں ۔

میرے : ملک الموت صاحب کوئی ایسی نصیحت کرتے جو میرے خیال میں مفید ہو ۔

ملکے المرنجہ : تو سنو اور اپنے پتے پاندھ لو ۔

جب تم آئے جگت میں جگت بنا تم روئے

کرنی ایسی کر جادو تم ہنو اور جگت روئے



# جوہر سیوانی

## جوہر ظرافت کے آئینے میں

جوہر سیوانی تھے میدانِ شاعری میں قدم رکھا تو خوش قسمتی سے ان کو ایک ایسے استاد مل گئے جو غزلیں لکھ دیا کرتے تھے ایسا شفیق استاد وقت پالے تو شاگرد کو کھلا ہی جاسے گا جوہر نہ ملتے ہیں۔

استاد میر سے دیتے تھے لکھ کر مجھے غزل

وہ پلگئے وقتِ خدا یا میں کیا کروں

شعر کہنے کے لئے تنہائی اور یکسوئی کی ضرورت ہے۔ ایسے میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کی جاسکتی چاہے گھر والی ہی کیوں نہ ہو غزل کہتے وقت اگر بیگم آجائیں تو جوہر برہم ہو کر کہتے ہیں

بیگم حیل بھلاؤ غزل کہہ رہا ہوں میں

بلشہ سر نہ کھاؤ غزل کہہ رہا ہوں میں

اکثر ایسا ہوتا کہ مصرعہ اول پہ دوسرا مصرعہ لگ ہی نہ پاتا۔ جوہر کر دٹ پر کر دٹ بدل کر پوری پوری شب گزار دیتے تھے

مصرعہ اول پر لگتا پایا نہ مصرعہ دوسرا

کر دہیں لے لے کے ہم نے شب گزاری ہائے ہائے

بے روزگاری اور بے کاری کو جوہر خدا کی رحمت سے تعبیر کرتے تھے۔ اس طرح انہیں طبع آزمائی کا خوب موقع ملتا ہے روزگاری کا ہر دن انہیں اتوار کی طرح پر شگفتہ معلوم ہوتا ہے۔

بے روزگار ہوں تو یہ رحمت خدا کی ہے

ہر دن ہے میرے واسطے اتوار کی طرح

بیگم کی دھکیوں سے تنگ اگر جو ہرے شاعر دل میں نہ جانے کا عہد کر لیا تھا۔ پھر بھی  
جو ریچھے جاتے رہے ایک دن مشاعرہ کے پنڈال میں بیگم ٹھیک اس وقت بلائے گئے تھے  
مال کی طرح پیچ گئیں جب کہ جو ہر مال پر غزل سرائتھے بیگم کی قدرت پر نظر پڑتے تھے جو ہر مال کا  
رب العزت میں گڑ گڑا کر اتنا کرنے لگے۔

مجھے اسے خرابچالے تو بلائے یہ مال سے

کہ مشاعرہ میں آخر وہ پہنچ گئیں کہاں سے

بیوی کے ساتھ اگر سات عدد سالے بھی مل جائیں تو یہ قدرت کی تتم فطرتی نہیں

تو اور کیا ہے۔ اُدھر سالوں کی فوج اور ادھر جوہر کی اکیلی جان۔ وہ کہیں تو کیا ہے

بھائی ہیں ان کے سات خدایا میں کیا کروں

اور میں اکیلی جان مندایا میں کیا کروں

سات عدد سالوں کے علاوہ خدا نے جوہر کو ایک درجن سالیوں سے بھی نوازا تھا

نماہ سجدہ کے سال میں کیا کیا دلداریاں نہ ہوتی ہوں گی

سجادہ سمرال میں کیوں کرنے ہوں، دلداریاں میری

خدا کے فضل سے ہیں ایک درجن سالیوں میری

ایک درجن سالیوں تو چھتر خوانیاں بھی ہوتی ہی ہوں گی لیکن سالیوں سے چھتر

خوانی میں جوہر ہمیشہ گھلے میں رہے۔

سالیوں سے چھتر خوانی کیا ہوئی

درجنوں رومال غائب ہو گئے

میاں بیوی میں نوک جھونک ہو جانے تو سالوں کو کیا حق ہے کہ تھکڑے میں مانگ

ماکرہن کی طرفداری میں ۲۲ نوئی سے یگر اٹھیں جس سے ذرا ہی بات بڑھ کر کہاں سے کہاں



ہوا اہلیہ سے جھگڑا بگڑا کھٹے میرے سلسلے  
یہ ذرا سی بات بڑھ کر کہاں تک گئی کہاں سے

پتہ نہیں سالیوں سے چھیڑ خوانی میں جو ہر سے کیا چوک ہوئی کہ حسن کی چنگاری سے  
کبھی نہ کھیلنے کا عہد کرنا پڑا ۔۔

یاڑ آئے کبھی سالی کو چھیڑا نہ کریں گے  
ہم حسن کی چنگاری سے کھیلا نہ کریں گے

سایاں اگر حسن کی چنگاریاں ہوں تو ظاہر ہے بڑی بہن، رقیبہ دوزخ کا لہکتا ہوا شعلہ  
ہوگی۔ اب اگر بیگم کا سامنا ہونے پر جو ہر کو پیاس لگتی ہے تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے ۔۔

بیگم ہیں کہ دوزخ کا لہکتا ہوا شعلہ  
جب سامنا ہوتا ہے مجھے پیاس لگے ہے

بیگم کے زیورات سالوں کے پاس امانت رکھتا غیر دانشمندانہ بات تھی۔ اگر وہ  
بے ایمان سالے جو ہر کے زیورات ہضم کر گئے تو صبر کے سوا چارہ ہی کیا ہے ۔۔  
سالوں کے پاس رکھ سکتے وہ ہضم کر گئے  
بیگم کے زیورات خدایا میں کبسا کروں

سات عدد گجڑے دل سالے۔ گھر والی دوزخ کا لہکتا ہوا شعلہ۔ لڑائی جھگڑے  
سے ناطقہ بند بیگم کا سامنا ہونے پر پیاس لگے۔ درجنوں سایاں رد مال غائب کرنے پر تلی  
ہوئی۔ تو یہ کیا منیق ہیں بان ہوگی جناب جو ہر کی سے

بیگم سے لڑائی کے سبب ناطقہ بند ہے

سالی مرے پیچھے بنے تو سالامرے آگے

کس نے پوچھا ہوگا تب ہی تو جناب جو ہر فرماتے ہیں ۔۔

کیا کہیں چلتی ہے کیسے میری بیوی کی زیاں  
 دن میں قینچی کی طرح اور شب میں بھالے کی طرح  
 آنولے کا مرتبہ کھا کھا کر بیگم کا جسم ہاتھی کے بدن جیسا ہو گیا تھا ممکن ہے جو ہر کے  
 سادوں نے یہ نسخہ اپنا بہن کو بتایا ہو۔ حقیقت جو کبھی ہو جب جو ہر بہ قید ہوش و حواس اٹھار  
 حقیقت کر رہے ہیں تو یقین کرنا ہی پڑے گا۔

کھا کے آنولے کا مرتبہ ہر میں ایسی موٹی  
 جسم بیگم کوٹی ہاتھی کا بدن ہو جیسے  
 نہ جانے بیگم کو کیا حسد تھی کہ اپنا سایہ بہتے ہوئے جو ہر کی لنگی پہنے پھیرا کرتی وہ  
 بھی ایک دن ہو تو ہو۔ روزیہ حرکت دہرائی جاتی ہے  
 سایا کی جگہ میری سنگی ہی پہنتی ہیں  
 اک دن نہیں روزانہ لاجول و لائقہ !

داماد کسے پیارا نہیں ہوتا۔ وہ بھی جو ہر ایسا میرا داماد۔ ساس نے اپنی ساری جائیداد  
 جو ہر کے نام کر دی۔ ساس کے اس کرم کو جو ہر لاٹری سے تعبیر کرنے کا شور مچاتے ہیں۔

ساس نے کر دی ہے میرے نام ساری جائیداد  
 میرے حق میں اس کرم کو لاٹری کہہ کر سیٹھے  
 جو ہر نے خٹکلاٹ خرید کر پاجامہ سینے کے لئے درزی کو دیا۔ اس شتم طریقے نے  
 مشین پر کچھ ایسی شاعری کی کہ پاجامہ شلوار کی طرح سل گیا ہے

درزی نے کی مشین پر کچھ ایسی شاعری  
 پاجامہ یہ اسل گیا شلوار کی طرح

شادی کے قبل، خٹکلاٹ محبت جلا دینا ہی قبر بن معاشرت ہے۔ لیکن غافل سے  
 سارے خٹکلاٹ محبت دراز میں پڑے رہ گئے اور ادھر بیوی رخصت ہو کر آگئیں جو ہر پھر  
 میں پڑے مگر بیگم کے میکہ ملتے ہی جو ہر سارے خٹکلاٹ محبت جلا دینے بیٹھے گئے۔ کسی نے ان کا

تو جو ہر نے جواب دیا ہے

وہ دیکھ لیں گی تو کہیں گی ایک شہر بپا

یہ ہیں خطوط محبت انہیں جلا نے دو

بیوی اگر بانجھ ہو تو یہ دوسری بات ہے۔ دہڑا دل و دھڑا کی دینیت۔ ہر سال  
ولادت ہو سکتی ہے۔ چاہے میاں کا حال پتلا ہی کیوں نہ ہو جائے۔ ایسے کو اس دنگہ کیوں جڑے  
لگی بھلا ہے

پتلا ہے میرا حال مگر اہلیہ کو کیا

ہر سال لازمی ہے ولادت نہ پوچھئے

نوعہ ذیچون تک تو جو ہر نے میرے کام لیا لیکن دسویں کی آمد پر پارائے میرے  
رہا۔ سر پیٹ کر رہ گئے۔ بٹے اب کیا ہوگا۔

میں نے نور رمضان رکھا تھا نویں ٹرکے کا نام

آج دسواں آگیا قربان، اب کیا کیجئے

قرینہ اغلب ہے کہ دسویں کے بعد گیارہ سواں بھی آگیا۔ تب ہی تو جو ہر اہلیہ سے  
شکایت کر رہے ہیں۔

ہر سال یہی کہتی ہو جب ہوتا ہے بیچہ

اب لگے ہر سال ہم یہ تماشا نہ کریں گے

اجاب نسبذری کر ایسے کہہ رہے ہیں۔ لیکن جو ہر نے کسی کی بات نہ مانی بیگم نے

بھی جب ہی مشورہ دیا تو جو ہر کی سمجھ میں بات آئی کہ بیگم کا خیال اچھا ہے۔

وہ بھی کہتی ہیں کہ نسبذری کر الو صاحب

کیوں نہ مانوں مری بیگم کا خیال اچھا ہے

کہتے ہیں سر کے بال تفکرات سے جھڑ جاتے ہیں لیکن جو ہر کا تجربہ یہ ہے کہ گنچا پن

کثرت اولاد کی علامت ہے۔ وہ اپنی ہی مثال پیش کرتے ہیں۔

کثرتِ اولاد کا انجام دیکھ  
سر کے سارے بال غائب ہو گئے

پریشانی آتی ہے تو ہر طرف سے یہاں تک کہ محلہ کے کرائہ دار کہیں ایسے چور اچھے  
لگے کہ جوہر کی مرغیاں ایک ایک کر کے پٹ کر گئے۔

کرائہ دار اچھے آگے اپنے محلہ میں

چرا کہ کھائے گا۔ ایک کر کے مرغیاں میری

جوہر کنایت شکاری کو دیتے ہیں ایک دن دفتر سے لوٹتے وقت ایک

سہول جیہ بیگم کے لئے خریدتے لائے لیکن اس جیہ کا جوہر ہوا وہ جناب جوہر کی زبانی سنئے۔

سہول جیہ دیکھ کر بیگم کو غصہ آگیا

پھینکانے میں پرہیز کرادھا ادھر ادھر

ایک دن نہ جانے بیگم کو کس بات پر اس قدر غصہ آیا کہ اپنے میاں کو بھاڑ میں

جھونکنے جا رہی تھیں۔ وہ تو خدا کو اچھا کرنا منظور تھا کہ عین وقت پر ایک پڑوسن آگئی جس

نے بیگم کو سمجھایا۔

نہ جوہر کو بھاڑ میں اپنے میاں کو

اٹھا وہ بھاڑ کے قابل نہیں ہے

ممکن ہے بیگم کا یہ منہ کسی فرمائش کے پوری نہ ہونے پر ہوئی۔ تب بھی تو جناب

جوہر شادی کو جنجال سمجھ رہے ہیں۔

فرمائش بیگم سے تو میں تنگ ہوں جوہر

جنجال یہ شادی یہ خدا میرے لئے ہے

شادی جنجال نبیوں نہ ہو جب کہ بیگم کا مزاج ایسا کہ آپ سے باہر ہو جائیں تو

کبھی چوہا توڑوں تو کبھی بانڈی چوڑوں سے

توڑ ایک چوہا کبھی چوڑی کنی بانڈی

ہو یا نہ ہو، در نہ تماشا مرے آگے

یگم جب شوہر ہی کو کچھ نہ سمجھیں تو بھابھی سے کیا خاک نہ کھکتی تھی۔ خوب جم کر  
لڑائی ہوتی دونوں میں۔

بھابھی سے بھی یگم کی نہیں بنتی ہے اک دن

منظر ہے وہی لوک بھاکا مرے آگے

بے روزگاری اور شاعری ساکتہ ساکتہ پٹے آتے ہیں، نوبت آتی جاتی ہے قرض

اور وہ کئی کبلی خال سے قمار بچائے۔ دفت پر پیسے نہ ملیں تو کبلی خال درگت بٹانے سے  
بچہ نہیں چھوکتے۔

نوح لی مونچھ میری چہرا بکاڑا میرا

کابلی خال تے بنا ڈالی یہ درگت میری

سارے۔ سالیوں۔ یگم۔ کابلی خال اور محلہ کے چور کراٹہ داروں کے ہاتھوں رکھ

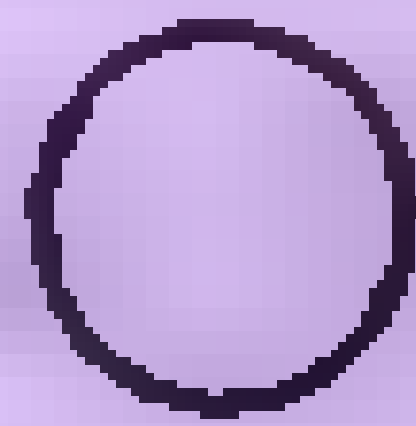
جھیلے جھیلے جو بہ اتھال فرم گئے۔ اُسے خوش قسمتی کہنے کہ یہی دکھ جھیلنا ان کے گناہوں کا

کفارہ ہو گیا۔ اور جناب جو بہ دوڑے فردوس بریں کی طرف۔ مگر وہاں تو پہلے ہی سے مولویوں کا

قبضہ تھا۔ وہ تو کہئے کہ دوزخ میں تھوڑی جگہ مل گئی جو گزارا ہو گیا۔ در نہ کہاں جاتے سچا رہے

دہ فردوس پہ تو مولویوں ہی کا قبضہ تھا

اگر ہوتا نہ دوزخ میں گزارا ہم کہاں جاتے





## احوالِ غالبِ زبانِ غالب

کہتے ہیں کہ غالب کے سینہ میں تپشِ عشق کے باعث ایک بہت بڑا تہم ہو گیا تھا۔ جس میں مل جرمِ ان کے عشق کی موجودگی میں کسی۔ لیکن وہ اتنا سنگِ دل نکلا نہ کہ یہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھنے پر بھی ایک قطرہ آنسو اٹھنے نہ پڑا۔ یہ مردِ دل بے رحم و بے رحم ہوا۔ انہوں نے کہا ہے ہونے پر شمر ڈھکا۔

نہ نکلا آنسو سے تیری اک آنسو اس جراحت پر  
کیا سینے میں جس نے خوشکالِ ترکانِ سوزن کو  
غائب کسی کے ہاتھ میں تلوار دیکھتے تو فوراً اپنی گردن جھکا دیتے کسی نے وجہ دریافت  
کی تو غالب نے یوں وضاحت کی —

شہادت میری قسمت میں جو دی ہے یہ تو مجھ کو  
جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا ہوں گردن کو  
غالب دہکی لائے بازار گئے تھے۔ اسی درمیان چند رہزن گھر میں داخل ہوئے  
اور سارے سامان لوٹ کر لے گئے۔ اس لوٹ کا غالب پر اثر کیا ہوتا کہ اور رہزن کو دعائیں  
دے کر رات بھر گہری تہذیب سے

نہ لٹا دن کو تو کب یوں بے خبر سوتا  
رہا کوٹکانہ چوری کا دھار دیتا ہوں رہزن کو  
یہ جان کر کہ ان کا محبوب کسی اور سے بھی رسم و راہ رشتہ ہے غالب کی غیرت کا آئینہ  
تو یہ تھا کہ اس کا سر قلم کر دیں۔ یا خود ہی ڈھکنی بھر پانی میں ڈوب مر جائے۔ لیکن اس کے برعکس غالب

اس کی ہمت افزائی یہ کہہ کر قرار ہے ہیں

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو  
مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گستاخ ہو

غالب کے بار بار گڑ گڑانے اور محلہ والوں کی سفارش پر محبوب نے یہ کہا بھیجا  
کہ وہ غالب کا امتحان لے کر دیکھے گا کہ یہ یہاں کتنے پانی میں ہیں۔ اور عاشق مہادق ہونے  
کا دعویٰ کہاں تک حقیقت پر مبنی ہے۔ غالب نے جواباً لکھ بھیجا۔

یہی ہے آ زمانا توستانا کس کو کہتے ہیں

مرد کے ہوتے جب تم تو میرا امتحان کیوں ہو

مثنوی سخن کے ساتھ غالب معشوری بھی لکھتے تھے۔ اور بہت بار اس فن میں ماہر ہو گئے

لیکن کہاں شاعری اور کہاں معشوری لوگوں کی حیرت اور استفسار پر غالب نے مہات گوئی  
کو راہ دیکر فرمایا۔

سیکھے ہیں مہرِ رخوں کے لئے ہم معشوری

تو نہ کہچو تو بہرِ اقبال چاہئے

مشراب نوشی سے غالب کی غمناک شہریا اس سے لطف اندوز ہونا انہیں نہ تھا مگر

اعتراف کرنے والوں کو کوئی کیا کہے۔ وہ تو رانی کا پہاڑ بنا دیتے ہیں۔ مان کر نہ

نے واضح الفاظ میں اپنی میٹھی نوشی کی یوں وضاحت کر دی تھی۔

مے سے غمناک نشاط ہے کس رخصتیا کو

اک گرتہ بہرِ خودی مجھے دن رات پہنئے

معشوقی سنگدل اور خوشامد پسند ہوتا ہی ہے لیکن خوشامد کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔

غالب نے خوشامد کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا تھا پھر بھی انسان تھے۔ اگر ایک حد تک غلبہ

لکھ ہی مارا ہے بے بزمِ بیاں میں سخنِ آزرده لبوں سے

تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامدِ طاہر سے

غالب کو ہمیشہ کھٹا لگا رہتا کہ جانتے قاصد ان کا نام نہ مٹوئی ان کے محبوب تک پہنچا بھی  
 جیہ یوں ہی ڈنگیں اڑتا ہے۔ جب قاصد کی طرف سے یہ گمانی بد نہ بڑھی تو غالب نے اپنے  
 سرلی سٹنے کے ایک مختصر شخص کو پیغام رسائی کے لئے بھیجا کیا لیکن اس نے بھی صاف بات  
 کہہ دیا ہے

غالب نہرا احوال نہا دیں گے ہم ان کو  
 وہ سن کے بلالیں یہ اجارہ نہیں کرتے

غالب کا وہ معینہ قاصد پر پیغام نہ زبان لے کر چلا تو غالب بھی بچیں پیدا کر رات نہ بھٹکے  
 بچیں وہ نہ کسی کی نسبت ہے۔ قاصد نے کوئی دلدل میں حب کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ تمام اجازت  
 تموار لے گئے حیرت سے باہر نکلا۔ اور غالب کا پیغام نہ زبان سٹنے ہی پیش میں آکر قریب تھا کہ  
 قاصد کی گردن اپنے ہاتھ سے اڑا دے کہ غالب پلاسٹک ہاں ہاں ہے  
 قاصد کی اپنے ہاتھ سے گردن نہ اڑیے  
 اس کی خند نہیں ہے وہ میرا قصور کھتا

اس حرکت قاصد غریب کی جان تو پیچ گئی لیکن اس سنگر کے اشارے پر یہ بولنے غالب  
 کو: قصور بوجہ۔ وہ تو کہئے کہ جہان کی دوری منبویٰ مٹتی کہ ریلوے سزا صرت ہے آبرو ہو کر کو چڑ  
 مانان سے نکالے گئے اور وہ یہ شعر پڑھتے ہوئے نکلے

مکھانند سے آدم کا سنہ آئے تھے لیکن

بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچہ سے ہم نکلے

ہر چند کہ غالب کا محبوب بیگم کا نہ دنا تھا۔ ان کی جاں نثاری اور دناؤں کی داد  
 نہ دینا تھا۔ بھوکھی غالب کی سادہ لوحی ملاحظہ ہو کہ محبوب کی اس حرکت کو اس کے غرور حسن کے  
 توہین کرتے ہیں

ہے وہ غرور حسن سے بیگانہ دنا

ہر چند ان کے پاس دل تنی شناسی ہے

غالب کے محبوب کو اگر کبھی اپنی فینس میں سوار غالب نے کوچہ گزرتے کا اتفاق  
ہوتا تو کہاروں کو کجاگم کجاگم گزر جانے کی ہدایت کی جاتی۔ بلکہ ٹھیکت کی انتہا یہ ہوتی  
کہ کہاروں کو کندھا بھی دینے نہ دیتا۔ غالب کو اس کا بہت احساس ہوتا اور وہ شکایت  
کرتے پھرتے۔

فینس میں گزرتے ہیں جو کوچہ سے وہ میرے  
کندھا بھی کہاروں کو دیتے نہیں دیتے  
غائب کے کلام پر کئی چیزیں ہوا کرتی تھیں۔ لوگ اعلان یہ کہتے کہ غائب کا  
کلام بول اور بے معنی ہوتا ہے۔ کچھ روز تک غالب خاموش رہے لیکن جب ایک  
چینیال حد سے بڑھیں تو غالب نے ایک بڑا سا پوسٹر چھوڑ کر یہ چوراہے پر آویزاں  
کر دیا لکھا تھا :-

نہ تلاش کی تمنا نہ صلہ کی پروا !  
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی  
ایک دن غالب کوچہ محبوب میں سرگشتی کر رہے تھے کہ اُن کا مجید کنگ  
کے لئے بابہ نکلا۔ تنگ میں اگر حضرت غالب پیشی دستی کر بیٹھے۔ ان کے محبوب نے بھی دولا  
دھپہ سے کام لیا۔ لیکن غالب اس سے اپنا باز کو دور والزام نہیں ٹھہراتے وہ کہتے ہیں۔  
دھول دھپہ اس سے اپنا باز کا شیوہ نہیں  
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیشی دستی ایک دن

غالب اپنی عمر طبعی کو پہنچ چکے تھے لیکن بے نوشی کی عادتیں کوئی فرق نہ آیا  
پھر ایک دن آجیب آیا جب ان کی ظاہری حالت دیکھ کر ہر شخص یہ کہہ سکتا تھا کہ اب غالب  
کے ہاتھوں میں جینٹل تک نہیں ہیں یہی غور آنکھوں میں دم ہے۔ بہتر مژنا کہ سر  
ومینا ان کے سامنے سے ہٹا کر تو یہ استغفار کی تلقین کی جاسے۔ یہ سن کر غالب نے  
تہار داروں سے انتہا کی ہے

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آتی تھکوں میں تو زم ہے  
بہنے دو ابھی سا غرو میں مارے آگے

اب ہر لمحہ یہ خطرہ تھا کہ کب غالب کی روح نفسِ عنفری سے پرواز کر جائے ہفت  
غنودگی طاری رہتی۔ انہیں کچھ ہوش میں دیکھ کر کسی نے جھک کر پوچھا۔ اگر کوئی آخری  
خواہش ہو تو کہا جائے۔ غالب نے لڑکھڑائی ہوئی زبان میں یہ وصیت کی کہ میری نعش  
کو محبوب کی گلیوں میں کھینچے پھرتا۔

گلیوں میں یہ نعش کو کھینچے پھر وہ میرا !

جاں دادہ ہوا سٹے سرے رہ کر رہوں

عالمِ نیر کا وقت جب طیارے سے طویل تر ہوتے لگا تو تیسرا دروازہ کے ذہن میں یہ  
یات آئی کہ میرے سب کو ایک نظر دیکھنے کی تمنا میں دم اٹکا ہوا ہے۔ یہ خیال آنے ہی  
ایک تیسرا دروازے غالب کے محبوب کے دردِ ولتا پر حاضر ہو کر صورتِ حالِ غریب کی اس  
دقتِ زندہ بن ستور کر گئیں جانتے کو تیار تھا۔ بارے غالب کا احوال سن کر اس کا دل بیجا  
اور وہ اپنا پروگرام کینسل کر کے غالب کے سر بالیں آکر کھڑا ہو گیا۔ محبوب کے رخِ زیبا پر  
نظمِ بڑی تو غالب نے سرِ واہ کھینچ کر فرمایا ہے

منہ گیش کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب

بار لائے مرے بالیں یہ سے پران وقت

غالب کی روحِ داغی اس توپ شکن کی آخری دہرے کے نے اٹکی ہوئی تھی

دلی مراد برائی تو غالب کے کلمے سے خرخر اہٹ کی آواز نکلتے لگی۔ لوگوں نے کان لگایا  
تو یہ صاف سنائی دیا غالب کہہ رہے تھے۔

اسد اللہ خاں تمام ہوا

وادرینا وہ رنار شاہد باز



## چچا ہیر کٹنگ سیلون میں

اللہ کا شکر ہے مرزا صاحب کہ دیر سہی لیکن آتو گئے! ہینگن مرزا کو دیکھتے ہی چچا بولے: "مگر دوست جیسے جیسے آتے ہیں دیر موڑ ہی تھی ہیر می انٹریٹس بڑھتی جا رہی سکتی۔ دیکھو نا چائے ابھی تک پڑی ہے۔"

"کوئی مضائقہ نہیں! ہینگن مرزا شیر والی کاٹن کھولتے ہوئے بولے: "ہوا یہ میرا صاحب کہ مجھے حجام کا انتظار تھا۔ شیونو خود ہی کر لیتا ہوں۔ صرف بال کوڑا سے کٹے ہر دو ماہ پر ایک آفت مول لینی پڑتی ہے (چچا کے گھٹے ہوئے سر پر ہاتھ پھیر کر) تم چچا مجھے سو بار کہ استرہ پھیرا کر ٹیل میدان کرا لیتے ہو..... ہاں تو جب حجام کا انتظار کرتے کرتے تنک گیا تو سوچا کہ بے کار ہی جاں دے مارا ہوں۔ پیسے ہی خرچ کر سنے ہیں تو تو خوشا، کیسی۔ اور پاپا ہنچا ہیر کٹنگ سیلون!۔"

"یہ کیوں مرزا! چچا نے پوچھا: "سیلون کیا ہوتا ہے؟"  
"تو یہ!، ہینگن مرزا بولے: "مشکل تو یہ ہے کہ معمولی انگریزی بھی تم نہیں سمجھ سکتے۔ اسی میاں، ہیر کٹنگ سیلون کہتے ہیں اس جگہ کو جہاں نہایت ہی اہتمام سے بال کاٹے جاتے ہیں۔"

"اچھا اب سمجھا! چچا بولے: "تو پھر کیا ہوا مرزا!"  
"ہوا کیا! ہینگن مرزا بولے: "ٹھاٹ سے بھلی کے پنکھ کے نیچے گردش کرنے والی کرسی پر بیٹھ کر حجامت بنوائی اور وہاں سے بیدرے چلا آ رہا ہوں، ویسے ہیر کٹنگ سیلون کا نام بہت دنوں سے سنتا آ رہا تھا لیکن دیکھنے کا اتفاق آج ہی ہوا!"

بچا حجام کا اتنا رگڑ رہے تھے۔ جب اس کے آنے میں کچھ تاخیر ہوئی تو چچا کو سیلون والی بات یاد آگئی۔ لپکتے ہوئے حوٹلی میں آئے اور چچی سے بولے: "ذرا دروازہ بند کر لیجیو یہی سٹوڑی دیر میں آتا ہوں۔"

"مگر اس وقت تو کہیں جاتے نہ تھے؟" چچی بولیں: "آخر چلے کہاں؟" میں بھی نوسنوں: "کبھی"۔ چچا بولے: "میں ابھی جہاں جا رہا ہوں اس جگہ کا نام کچھ ایسا بیڑھا بیڑھا ہے کہ تمہاری زبان پر نہ چڑھے گا۔ اور اگر زبان پر چڑھے بھی گیا تو اس کا مطلب سمجھاتے سمجھاتے میرا دیوالہ نکل جائے گا لیکن میں لوٹ کر آیا نہیں کہ تم خود ہی سمجھ جاؤ گی کہ میں کہاں گیا تھا؟"۔

بچا ہمبر کٹنگ سیلون پہنچے اور ایک کرسی پر اپنا چھانا رکھ کر خود بھی اس پر بیٹھ گئے کسی نے کہا: "یہ چیتر دی تو کتنا بے لگائیے۔ بھانگی سٹوڑی ہی جاتی ہے۔" لیکن چچا نے سنی ان کی کر کے ایک طالب علم سے جوابی بنا کر چلنے کو سکھایا چچا: "اب جی یا بونہم یاں کوٹا کر رہا ہے ہنریا بونہم ہی چلے۔"

"نہیں تو؟" اس نے حیرت کا اظہار کیا۔ یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ میں نے یاں نہیں تولتے دیکھئے میرے سر پر آدھ بے بال کیا نہیں رہے۔

چچا منے: "میاں، کسی اور کو یہ تو بتانا۔ ذرا اپنے سر پر ہاتھ تو پھیرو۔ ٹوکریوں بال پڑے ہیں۔ اس پر بھی کہتے ہو کہ بال کٹوائے ہیں۔ اچھا مذاق ہے؟"

جیام نے آواز دی: "آئیے مولی صاحب، کیا ہوا ہے؟ آپ کو؟"

چچا چھانا لئے ہوئے اٹھے اور حجام سے بولے: "کبھی گھومتے والی کرسی کون کا ہے؟ میں اس پر بیٹھوں گا؟"

یہ گھومتے والی ہی کرسی ہے حضور؟ حجام نے جواب دیا: "بچا مع چچا تا کرسی پر بیٹھ گئے تو حجام نے یہ دیکھ لیا کہ یہ گھومتی کرسی ہے والی ہی کرسی ہے چچا کو ایک چکر دے دیا۔ چچا پشیمک اٹھے: "والہ، جیسا لیکن مزہ لے کر ہاتھ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر پایا۔"

لے لے آگے خدا کی قسم (جیام سے)۔۔۔ دو تین چکر اور رہے بار۔

”تو آپ شیو کراٹیں گے کیا مولیٰ صاحبہ؟“ حجام نے پوچھا: ”دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے سر پر گریباں ہے ہی نہیں؟“

”اچھا! اچھا! حجام کو گھر رات ان اسکوٹے لڑکوں کی طرح بال رکھ کر آؤں تب تمہیں دکھائی دیں گے۔ تو یہ! دیکھتے نہیں۔ یاں اندر داتے دو ہفتہ سے بھی زیادہ ہو چکے ہیں۔“  
 ”تو آپ سر گٹھائی گئے ہیں یہاں؟“ حجام نے نفرت کا لہجہ اختیار کیا۔  
 ”اور نہیں تو کیا۔ تمہارا مسخہ دیکھتے آیا ہوں۔ چچا نے خود ہی کر سہی کو چکر دیتے ہوئے جواب دیا۔“

”تو جیہ آپ کو سر منڈوانا ہے تو چلے جائیے فٹ پاتھ پر؟“ حجام نے چچا کے کندھے پر سے پاؤں پھینچتے ہوئے کہا۔

”آخر تم حجام ہو کہ نہیں؟“ چچا نے غصے کا اظہار کیا۔  
 ”حجام۔“ ہوں کیوں نہیں؟“ اُس نے جواب دیا۔ ”لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی گدھا لے لے کہ اس کے بال موٹے دو۔ تب تو یہ ایم۔ اے اور بی۔ اے میں پڑھنے والے یا بوائے میرے یہاں۔۔۔“ اچھا آپ لے لے ہیں سیدوں کو برا کر رہے؟“

”وہ تو اڑی ہوئی رہتا کہ سر پر منڈ کر لے۔ لیکن سیدوں میں موجود کالج کے لڑکوں سے حجام کو سمجھایا کہ اس میں بگڑنا ہی کیا ہے۔ رہے ایک ہاتھ۔“  
 حجام نے، ستر پھیر کر چچا کی پکٹی کھوپڑی پر پاؤں ڈر کر چھرک دیا۔ چچا نے جب آئینہ میں اپنی صورت دیکھی تو اُنکے گولہ ہو کر بولے۔ ”یہ تمہارے سر پر سنگ جراثیم کیوں چھڑک دیا۔ مجھے سخت نفرت اس سے۔“

”اجی حشر، حجام نے کہا: ”یہ سنگ جراثیم نہیں۔ پوڈ رہے۔ بہت ہی تھمتی پوڈ۔“

”جو کاتھنتی پوڈ۔ تمہارے لئے چچا مسخہ لیو کر بولے۔“ میں تو اسے راکھ سمجھتا ہوں راکھ کچھ دیر سر ہٹا کر، تمہارے پاس لال مٹی ہے کہ مس۔“

”ہے کیوں نہیں؟“ حجام بولا ”مگر کیا کرتا ہے اس کا؟“

چچا جھنجھلائے ”پتہ نہیں کیسے سیاہون چلائے ہو۔ اماں یلدی سے لال مٹی میں کر میرے سر میں لگا دو۔ اُفتات کس قدر لہر رہا ہے میرا سر ضرور تم نے کہیں کاٹ چھانت کیا ہے۔“

حجام نے لال مٹی بھگو کر چچا کے سر پر لپ دی۔ چچا پنکھ کے نیچے بیٹھے ہی تھے لال مٹی سر میں لگنے کے بعد اوپر سے ہوا جو لگی تو چچا نے فرحت بخش ٹھنڈک محسوس کی۔ کرسی پر اڑے ہوئے حجام سے بولے ”بھئی! اس گردش کرنے والی کرسی کا رہے دو تین سپر اور۔۔۔۔۔ اس عرصہ میں چچا نے گالوں پہ ہاتھ پھیرا تو کھوٹی بنو وار تھی۔ بولے ”لگے ہاتھ شیو بھی کرتی ڈالو۔“

چچا کو کسی پہلو قرار نہ تھا۔ اس نے حجام نے چچا سے کہا۔ میرے ہاتھ میں اوزار ہے ذرا سخت نیٹھے کا حضور۔“

”تو کیا میں اچھل کود کب کر رہا ہوں؟“ چچا بولے ”عجیب طرح کے آدمی ہونم بھی جیسے میں احمق ہوں۔ چلو اپنا کام کرو۔“

حجام نے چچا کے گال پر سترہ رکھا ہی تھا کہ کسی کے سوال کا جواب دینے کے لئے پوچھنے جیسے میری طرف متوجہ ہوا اور وہ بھی اس نیزی سے کہ حجام استرہ سنبھال نہ سکا۔ اور چچا کا پورا کان کٹ کر ٹک گیا۔ چچا اپنے ہاتھ کرتے لگے، اس وقت کایح کے کہیں لڑکوں نے چچا کے کان کو ساٹ کر مٹی باندھ دی۔ گھٹے ہوئے سر میں لال مٹی پہلے سے لگی ہوئی تھی۔ اس پر سے پی جو بندہ تو نہایت ڈراؤنی شکل ہو گئی۔

چچا کا کان کٹ جانے سے حجام اتنا ڈر گیا کہ معذرت کرتا ہوا چچا کو رکشہ پر لا کر گھر پہنچا گیا۔ چچا کا بگڑا ہوا جلیہ دیکھ کر چچی بولیں۔ ”ٹھیک ہی کہا تھا آپ نے بنو کے ابا کی سر سے واپس آتے ہی تم خود سمجھ جاؤ گی۔“ ابا باندھنے کی ضرورت نہیں۔ آپ! اکیلا ہوتا ہی دیکھ کر سب کچھ سمجھ گئی ہوں۔

# جوشش عظیم آبادی اور ان کا منظر و نظر

## ان کے اشعار کے آئینہ میں

کہتے ہیں کہ جوشش عظیم آبادی کو عالم پیری میں عشق کا سودا سر میں سلایا اور طفت  
 یہ کہ دل بھی آیا تو ایسے خرد سال خود پر دہریں کے شباب کی اسی ابتدا ہوئی، بھلا پیری کے عشق میں  
 فاک لذت ہوتی حضرت جوشش فرماتے ہیں یہ

لذت ہو فاک عشق کی پیری میں ہم دماں  
 معشوق خرد سال ہے عہد شباب ہے

ایام پیری میں دم خم ہی کتنا رہتا ہے اس پر طرہ یہ کہ مرقع عشق لاتی ہو جائے جب  
 عشق کا یہ آغاز ہو تو انجام کا خدا حافظ ہے

ہوتے ہی عاشق گئے تاب و توان صبر و قرار  
 دیکھئے انجام کیا ہو جس کا یہ آغاز ہے

پہلے تو جوشش یہ کہتے رہے کہ وہ ایسے کے دام محبت میں گرفتار میں جس کی  
 زلفوں میں پھنسا چھوٹے نہ دیکھا گیا ہے

جس کی زلفوں میں پھنسا چھوٹے نہ دیکھا نہ کبھی  
 اس کے ہی دام محبت میں گرفتار ہیں ہم

آگے چل کر یہ بات واضح ہوئی کہ جوشش عظیم آبادی کا معشوق صنف نازک  
 نہیں بلکہ صنف کثرت تھا۔ اس کی تشبیہ جناب جوشش عظیم آبادی تو سکر  
 مندرجہ ذیل شعر سے ہوتی ہے

جتنا ہم چاہتے ہیں چاہتے ہیں سکتے ہو  
خواہ تم دور رہو۔ خواہ رہو میاں نزدیک  
جوشش اپنے جس منظور نظر کو میاں کہہ کر مخاطب کرتے ہیں وہ دراصل ایک ترک  
پسر تھا جس کی الفت میں وہ اپنا سب کچھ بچھا کر بیٹھے تھے۔ ملاحظہ ہو یہ شعر ہے  
نذر کیا کیجئے وہ ترک اگر آجائے

دل نہیں۔ جان نہیں۔ دین اور اسکان نہیں  
اس ترک پسر کی کس ادلے خاص پر جوشش کا دل آیا ستفا یہ کہنا مشکل  
ہے ممکن ہے اُن کا دل اس کے زلف کا شیدا ہو۔ جس کے متعلق جوشش کا یہ کہنا ہے  
کہ اگر کوئی برہمن اُس کے زلف کو دیکھ لے تو اُسے اپنے گلے کا زنا فراموش ہو جائے۔  
اے ترک تیر ہی زلف کو دیکھے جو برہمن  
ہو اپنے گلے کا اُسے زنا فراموش

اس ترک پسر کی میں بھیگ رہی تھیں۔ سبزہ کا آغاز تھا جس سے اُس کے حسن خدا  
داد میں چار چاند لگ گئے تھے لیکن نہ جانتے کیوں اس نے اپنے سبزہ خط پر سیفی ریزہ پھر  
دیا۔ اس کی اس حرکت پر جوشش محبتِ سیرِ خفگی کا اظہار کرتے ہیں۔  
اس سبزہ خط کو کیوں منڈایا  
ہے تجھ سے بھی غبارِ مجھ کو  
جوشش عظیم آبادی کا منظور نظر پیشے کے اعتبار سے رفاص تھا۔ جوشش نے  
جس دن سے اس کو رقص کرتے دیکھا تھا تب سے ان کو سوائے رقص کے اور کچھ سمجھنا ہی  
نہ تھا۔

جب سے نظر پڑا ہے وہ رفاص دلفریب  
سمجھنا نہیں ہے مجھ کو یہاں کچھ سوائے رقص  
کہتے ہیں کہ اس کے زلفوں کی درازی کا یہ عالم تھا کہ وہ شام سے اُسے باندھتے



بیٹے تو بلا مبالغہ صبح ہو جائے ہے

درازمی اس کے زلفوں کی بیاں کیلیکھے جوشش

جو باز ہی جائے گردہ تمام سے تے تا سحر باز ہے

جناب شیخ نے دوستی اور قرب مکاتی کے تانے ملاوت کی کہ کیا اس عمر میں کسی ترک

پسر کے شش میں مبتلا ہو کر آہ و بے کرتے ہو بخت کچھ جو اس چھو کرے پر جناب جوشش نے

تک کر حجاب دیا ہے

اسے شیخ تو جو دیکھتا اس اُفت یان کو

نت مانگتے ہی بچھ کو متاجات گزرتی

کوئی معنوق یہ ہرگز گواہ نہیں کر سکتا کہ ایک پیر فرقت دام محبت میں مبتلا ہو کر اس

کے کوچہ کی خاک اچھانے۔ اس ترک پسر نے پہلے تو جناب جوشش کی منیرہ کی اس پر بھی جب

وہ اپنی حرکت سے یازنہ اٹھے تو گالیاں دینے پر اترا آیا۔ لیکن بخت کے جوش میں جوشش

اس کی حرکت برداشت کرتے رہے۔ کوئی دوسرا ات کی جگہ ہوتا تو کبھی درگزر نہ کرتا جوشش

عظیم آبادی کو خود بھی اس کا اعتراض ہے

جو کوئی اور ہماری جگہ ہو جوشش

تو اس کی گالیاں سن سن سے درگزر نہ کرے

جوشش نے اس منفلور نظر چھو کرے کو اپنے گھر آتے کی دعوت دی لیکن جب اس

نے ان کی پرنفلوں میں دعوت ٹھکرا دی تو جوشش نے اس آرزو ہی کو اپنے دل سے نکال دیا ہے

میاں تم میرے گھر آؤ نہ آؤ

اٹھایا میں نے دل اس آرزو سے

جب کبھی اس ترک پسر کی ایک جھلک دیکھنے کی نیت سے جوشش عظیم آبادی اس

کے کوچہ میں جاتے تو وہ خیر و خیر کر اٹھیں دیکھ کر اس انداز سے مسکراتا جس سے صحت دل

آزاری کا پہلو نکلتا ہے

مسکراتا ہے مجھے دیکھ کے غیروں کے حضور

یاد ہے اس کو عجب طور دل آزار می کا

جوشش کا منظور نظر چھو کر اپنے حسن و جمال پہ نازاں بن سہر کر نکلتا تو کسی کی

جانب نگاہ نہ کرتا یہ جوشش کی طرف تو مطلق توجہ نہ دیتا اس کی بے رخی کو جوشش اس کے غرور حسن سے تعبیر کرتے تھے

دیکھتا ہی نہیں کسی کی طرف

کیا غرور اس کو ہے جوانی کا

جناب شیخ اپنا فریق ادا کر ہی چکے تھے حضرت تاج فتح نے بھی جوشش کو عشق و عاشقی

کے انجام سے ڈرایا تو جوشش نے جواب دیا ہے

اے عاشق سے کیوں اتنا ڈراتا ہے مجھ

میں ڈرانے سے تمہارے کوئی ڈر ہاؤں گا

ایک دن اس ترک پسر کی رگ جیت جو پچھڑ کی تو تلوار کمر سے لٹکائے جوشش کے

قتل کے ارادے سے آدھما بلین جوشش کی بے بسی پر ترس کھا کر ہاتھ روکے رہا ہے

قتل کو آیا پر میری بے بسی

دیکھ کر وہ ترک پسر رہ گیا

اس ترک پسر چھو کرے کو ملک دم کھڑا دیکھ کر جوشش نے تسلیم خم کرنے ہوئے

لٹکے راستے دیکھتا کیا ہے کھڑا کیچنے کمر سے تلوار

لاٹے سے سامنے تیرے مجھے تقدیر بہ زور

وہ چھو کر جوشش کے قتل کا ارادہ ملتوی کر چکا تھا تلوار منیام میں ڈالے واپس

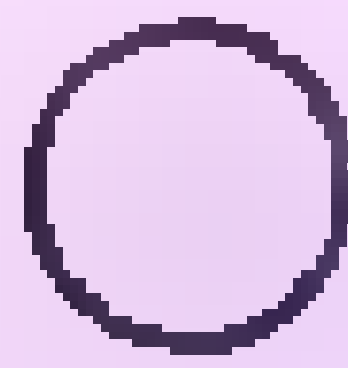
جانے کو پلٹا تو جوشش نے راستہ روک کر کہا ہے

تمہاری صورت کو دیکھتے ہی میاں بہ حالت ہڑی ہماری

دل و جگر سے اگٹے ہیں شعلے ہوئے ہیں آنکھوں کی آنکھیں ہماری

لیکن جب منت و سماجت کے بعد بھی وہ کینخت اپنے فیصلہ پر اٹل رہا تو ہر شش  
 اپنی عشق بازی پر دل ہی دل میں پچھتاوے اور پھر خود ہی دل کو تسلی دینے لگے ۔  
 دے کے دل پچھتانے سے ہوتا ہے کیا  
 ہوتی تھی سو ہو چکی روتا ہے کیا  
 کسی سے محبت کر کے ترک محبت آسان نہیں ۔ وہ بھی بڑھاپے کا عشق ۔ اب جناب  
 جوشش عظیم آبادی نے اپنا یہ معمول بنالیا کہ دل مضطر کو بہلانے کی خاطر اگر دو گھڑی روئے  
 تو وہ گھڑی اشعار پڑھ کر گزارتے سے

دو گھڑی روتا ہوں اور دو گھڑی پڑھتا ہوں شعر  
 اس دل ناستاد کو اس طرح بہلاتا ہوں ۔ میں



## کچھ بچی کی زبانی

”یہ ٹھیک ہی کرتے ہو بیٹا! چچی بولیں۔“ جو تم اپنے چچا کے کرتوت اخباروں میں چھو ادیتے ہو۔ اس پر بھی ان کی حرکت چھوٹے تب تو.... مگر اے بابو! تم تو وہی کچھ لکھتے ہو جو اپنے چچا کا رنگ ڈھنگ دیکھتے ہو۔ لیکن تم کو کیا خبر ان کے پہلے کے کرتوتوں کی؟“

”چچی! میں نے کہا“ جب سے ہوش سنبھالا ہے چچا کا یہی رنگ ڈھنگ دیکھ رہا ہوں اور اسی لئے کئی مرتبہ آپ سے کہا بھی کہ چچا کی جوانی کے کچھ حالات سنائیے۔ مگر آپ براہِ راج کل کرتی رہیں۔“

ہاں بیٹا! چچی ٹھنڈی سانس کھینچ کر بولیں۔ سبب طبیعت ہی ٹھیک نہ رہے تو کوئی کیا کرے مگر آج کھوڑا بہت ضرور سناؤں گی.... (بدھوا کو آواز دے کر).... ذرا ہینڈ یا چلانا رہیو میں یہیں اُسارے میں بیٹھی ہوں

”تو سنو! یہ چچی بولیں! میں لگ بھگ چودہ برس کی تھی کہ تمہارے چچا سے میری شادی کی بات چلی.... اے بابو! اس دن سے تمہارے چچا نے میرے محلے کی قاک اڑا دی۔ صرف ایک نظر مجھے دیکھتے کو ان کی اس حرکت سے تنگ آکر میں نے گونٹھے پر چڑھنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ لیکن دل میں یہ سٹھان لی تھی کہ ان کے چھکے چھوڑا کر ہا دم لوں گی۔ تو میں نے اپنی ایکسپریس کو سکھا پڑھا کر تیار کیا وہ نگوڑی کھولتا ہوا پانی پچکاری میں بھر کر گونٹے پر چڑھ گئی۔ سبب تمہارے چچا گردن اٹھائے جھانکتے تاکتے ادھر سے گزرتے لگے تو میری سہیلی نے تاک کر ایسی پچکاری چلائی کہ یہ میاں جی تھملا تے ہوئے بھاگے تو پھرتا ہی نہ رہے



نے انیم کھانے کی چاٹ لگا دی ۔

ذرا یہ تو تپا بیٹے چچی " میں نے پوچھا " کیا چچا شروع ہی سے سرگھساتے چلے آ رہے ہیں یا سن آئے کسے بعد ؟

اچھا بھڑک چچی بولیں ! اگلے بار سے میں بھی بتاتی ہوں ۔ ذرا دیکھ لوں کہ ہنڈیا تو نہیں میں رہی ہے ۔ یہ نگوڑا بدھوا انیم تو نہیں کھاتا مگر اذگھتا ہے اپنے مالک ہی کی طرح !

چچی کھٹولے پر بیٹھ کر پنکھا ڈالتے ہوئے بولیں ! بیٹیا ۔ تم نے اپنے چچا کو جوانی میں نہیں دیکھا ۔ بڑے اچھے کسرتی اور خوب گٹھے گٹھے بازو تھے ان کے ۔ لم دھڑک جیسے ہی وہ تم دیکھ ہی رہے ہوں اس پر سوتے پر ہاگہ لمبے لمبے بال تھے جو ہر وقت کنگھی سے سنوارے جاتے آنکھوں میں سرمہ کی سلائی ضرور پھیرتے ۔ اور بہتا واشر دے سے ایک طرح کا ہے ۔۔۔ یہی نام لو سلیم شاہی جو تا ۔ چوڑی دارہ پاجامہ اور دوپٹی ٹوپی ۔ گھر سے نکلے تو بدلتا پرانگا اور ہاتھ میں مرزا پوری ڈنڈا ۔۔۔۔۔۔ اسے بیٹا ، ان کو اللہ نے ایسے خوبصورت بال دے تھے کہ میں دیکھتے ہی سیٹے ۔ لیکن ان اٹھالی گبرے دوستوں کی صحبت میں سستی ناس ہو گیا ان کا ۔

یہ کیسے چچی ! میں نے پوچھا ۔

کیسے کیا ! چچی بولیں ! آنکھیں گردن ماروں نے تمہارے چچا کو مرید ہوتے کا مشورہ دیا پیر بکھی ایسا لاکر نام ہی سن کر نصرت ہو گئی تھی شاہ کھساری ۔ تو اسی نے مرید کرنے کے قبل ان کے چاروں ابروؤں کا مستحبا کر دیا اور یہ تالیکہ کر دی کہ سر ہیشہ گھٹا رہے تب ہی اسے شکل ایسی ہو گئی ہے یا کہ جی بھر کر صورت دیکھی نہیں جاتی ۔۔۔۔۔۔ جب شاہ کھساری کا ذکر ہی کیا تو اس کی حرکت کے بارے میں بھی سن ہی لو ۔ ہوا یہ ہے کہ تمہارے چچا اس شاہ کھساری نگوڑے سے کو بیٹھا کہ میں اکبلا چھوڑ کر انبیون لانے بازار گئے ۔ میں یاد رہی خانہ میں تھی ۔ دروازے کی طرف نظر اٹھی تو دیکھا کہ شاہ کھساری پردے سے منہ نکالے اندر جھانک رہے ہیں ۔ میں نے جلدی سے لوہے کی ایک





# ہاشم عظیم آبادی سے انٹرویو

۱۔ یہ ایک فرضی انٹرویو ہے جس میں ہر سوال کا جواب انہیں کی شعری تخلیق، اندازِ بیاں اور اسے ماخوذ ہے۔

میرے ۱۔ ہاشم صاحب کیا ذاتی آپ کا کلام اور اندازِ بیاں دوسرے مخدول سے الگ ہے جیسا کہ عام طور پر لوگ کہا کرتے ہیں۔

ہاشم عظیم آبادی ۱۔ میں اور سبھی دنیا میں سخنِ بہت اچھے کہتے ہیں کہ ہاشم کا ہے اندازِ بیاں اور میرے ۲۔ میرے بٹائرنٹ کے بعد اب آپ کا کیا مشغلہ ہے۔ میرا مقصد کس کاروبار سے ہے۔

ہاشم عظیم آبادی ۱۔ اجرت پر روزہ لکھتا ہوں عشاق کے خطوط دلچسپ دل پذیر مرا کاروبار ہے میرے ۱۔ کیا وجہ ہے کہ زندگی کے دور میں آپ کامیاب و کامراں نہیں رہے۔

ہاشم عظیم آبادی ۱۔ زندگی میں کیسے رہتا کامیاب و کامراں سب نہیں آئے خوشامد کے ذرا بھی ڈھب مجھے

میرے ۱۔ اولاد کو لوگ پیری کا عبا کہتے ہیں۔ آپ کو اس سے کہاں تک اتفاق ہے ہاشم عظیم آبادی ۱۔ ہم تو پلی سی چھڑی بھی نہیں کہتے اس کو لوگ اولاد کو پیری کا عبا کہتے ہیں

میرے ۱۔ آپ برابر کابین شہور پاکہ تھے پھر اچانک دارھی تھوڑی کرٹی مصلحتاً تھوڑی بزرگی اس میں۔

ہاشم عظیم آبادی :- معصیت کا تھا تقاضہ جو بڑھالی دارمھی

عقد کی شرط ہنروری تھی مسلمان ہونا

میرے :- پھر دارمھی آپ نے سیفی ریزر کی بھینٹ کر دی۔ ایسا کیوں؟

ہاشم عظیم آبادی :- کیوں نہ دارمھی اپنی کرا بھینٹ ریزر کی بھینٹ

خندہ ظن اس شکل پر حیب حلفۃ احباب تھا

میرے :- ہاشم صاحب ایسا تو بہ دیکھتا ہوں کہ چار چار دن کے چھو کرے بھی فریادیاں

کرنے لگے ہیں۔ یہ ایسا کیوں ہونے لگا۔

ہاشم عظیم آبادی :- ہونٹ کی شیریںیاں کا رنج میں جیب بٹنے لگیں

چار دن کے چھو کرے کرنے لگے فریادیاں

میرے :- اگر کسی کو کسی سے عشق ہو جائے تو اسے ہلک مرض میں مبتلا ہونا بھی کہہ

سکتے ہیں اس مرض کا آخری علاج کیا ہے ہاشم صاحب

ہاشم عظیم آبادی :- جو تا ہی اس مرض کا ہے اکہ آخری علاج

کہتے ہیں حبس کو عشق غلغل ہے دماغ کا

میرے :- بیباک لڑکیوں کو آپ قیامت کہتے ہیں اس طرح تو بیکے سر پر بھی تیا آسکتی ہے

ہاشم عظیم آبادی :- بیباک لڑکیوں کو قیامت کہیں گے ہم

چاہے ہمارے سر پر قیامت ہی کیوں نہ ہو

میرے :- سب پیشیوں میں آسان پیشہ کون سا ہے

ہاشم عظیم آبادی :- آسان مگر سب وزارت کا ہے پیشہ پیر گوماک میں پیشے میں بہت کام ہوتا ہے

میرے :- ہر شعبہ زندگی میں عورتوں کو مردوں سے آگے بڑھنے دیکھ کر یہ خدشہ محسوس ہوتا

ہے کہ عورت مرد کو پردے میں نہ بیٹھا دے آپ کا کیا خیال ہے

ہاشم عظیم آبادی :- ترن کر کے عورت مرد کو پردے میں بیٹھا دے

یہ گویا ہے تھا ناممکن مگر اب اس کا امکان ہے

میرے :- اے اگر فی کسے دور میں بھی لوگ پچھ پیدا کرنے سے باز نہیں آئے آپ اس کی

مواہبت میں کیا پیچیدہ ۔

ہاشم عظیم آبادی : بیچہ تو بیچہ ایسی ہی گمرانی کے دور میں

چربا بھی اس نے گھر میں نہ پیدا کرے کوئی

میرے : — عشاق شاعر اور واعظ کے متعلق آپ اپنی کیا رائے رکھتے ہیں

ہاشم عظیم آبادی : عشاق دل فروش ہیں شاعر سخن فروش

واعظ خدا فروش ہے۔ بے جنت فروش ہے

میرے : — اپنا سنا عمر آپ کسے کہتے ہیں ۔

ہاشم عظیم آبادی : — شاعر دہی اچھا ہے گڑا سب سے کا ہوا چھپا

کیا اس میں بُرائی ہے اگر شعر بُرا ہے

میرے : — خدا کا کوئی کام منہ بھرت سے خالی نہیں ۔ اس نے انسان کو دو کان

اور ایک زبان عطا کی ہے اس میں کیا مفصل ہو سکتا ہے ۔

ہاشم عظیم آبادی : — مفصل یہ ہے کہ زیادہ سستو اور بولور کم

تبا تھا تو کان دو ہیں مگر ایک زبان ہے

میرے : — یہ آج کل کے کمزورے کس خیال میں رہتے ہیں

ہاشم عظیم آبادی : — سب کمزورے اسی خیال میں ہیں میرے

وکیس ملتے ہیں ہم کو مال کہاں

میرے : — سکون اور چین کا سرشت نفس متلاشی ہے ۔ لیکن یہ کہیں ملے نہیں ۔ آپ

کے خیال میں ایسی سکون کی دنیا کہاں ہو سکتی ہے ۔ جہاں کوئی منتظر

وفادار نہ ہو ۔

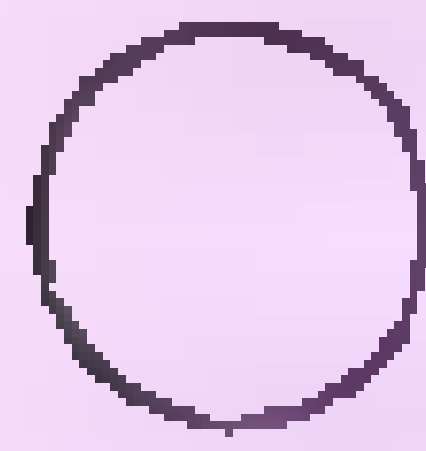
ہاشم عظیم آبادی : — بڑے سکون کی دنیا ہے چند و خانہ بھی

پنکڑیں سب ہیں کہیں فتنہ و فساد نہیں

میرے : — اگر آپ چاند پر پہنچ جاتے تو کیا کرتے ۔

ہاشم عظیم آبادی ہے ہم اہل جنون چاہتے نہیں واپس  
 یہ کیا کہ گئے چاند پیر اور پھر اتر آئے  
 یہ ہے : - اور آخر میں یہ جانتا چاہوں گا کہ ہر کسی کے دل میں اُسپ کی اتنی قدر  
 کیوں ہے -

ہاشم عظیم آبادی ہے جو تیاں سبیدھی کیا کرتا ہے سب کی رات دن  
 قدر ہاشم کی جی بھی تو ہر کسی کے دل میں ہے



## پیارے ناک

ناک انسان کے جسم کا ایک اہم ترین حصہ ہے جسے اونچا رکھنے کیلئے کیا گیا جتن نہیں کئے جاتے۔ اور کیسی کیسی خون ریز لڑائیاں ناک کی خاطر نہیں لڑی جاتیں لیکن اتنی اہمیت کے باوجود ناک کی نگہداشت کی طرف سے انتہائی غفلت برتی جاتی ہے موسم سرما کے آتے ہی جسم کے ایک ایک عضو کو ٹھنڈک سے بچانے کے لئے طرح طرح کے انتہام کئے جاتے ہیں۔ پیر کے لئے باتا دا۔ سینے کی حفاظت کے لئے بنیان اولی سوئٹر کوٹ بکلیں اور سر کے بچاؤ کے لئے کن چھپی ٹوپی۔ انگلیوں کے لئے دتھانے اور گلے کیلئے منقلر لیکن یہ چاری ناک کے لئے دوا پینچ کا ایک غلاف ملوانے کی آج تک کسی ناک والے کو توفیق نہ ہوئی۔ اسے ٹھنڈک اور یرغانی ہوا کا متاثرہ کرنے سے اس طرح بے یار و مددگار چھوڑ دیا جاتا ہے جیسے ناک کا وجود ہی نہ ہو۔ حالانکہ ناک کا نعم البدل نہیں۔

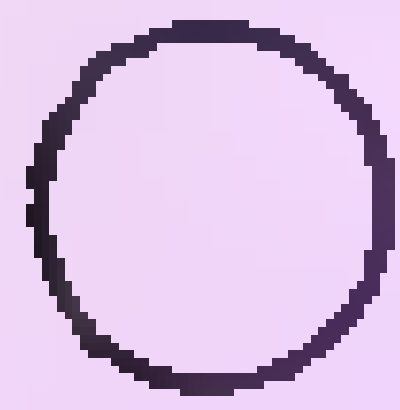
ایک ہاتھ کٹ جاتے تو دوسرے ہاتھ سے کام لے سکتے ہیں۔ ایک پیر سے محرم ہو جائیں تو بیوا کئی کا بہارا لیا جاسکتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ایک آنکھ ہی حیا کی رہے تو بیوائی کے لئے دوسری آنکھ کافی ہے۔ لیکن اگر کسی حادثہ میں ناک کٹ جائے تو پھر احیاء ہونے کے بعد جسک مارنے کے کوئی چارہ نہیں۔ ناک نہ رہنے پر گھر سے باہر نکلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بازار و لڑکے آواز دھکنے اور نکلنا کہہ کر پکارنے سے باز نہیں آسکتے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ ناک غریب کو عمر بھر کنوارہ ہی رہنا پڑتا ہے۔ کیونکہ کوئی لڑکی



والا نکٹا داماد نہیں کر سکتا۔ چاہے نکٹے کی طرف سے ایک، دھیلے کی بھی مانگ نہ ہو۔ ہاں شادی کے بعد دولہا یا لہو اپنی ناک گنوا بیٹھیں تو بیزاریاں تباہی سے۔ اس صورت حال کے تحت سسرال والے نکٹا داماد گوارہ کر سنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

ناک کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ بغیر چھڑ اور چپ تو کے بھی کٹ سکتی ہے۔ وہ اس طرح کہ اگر کوئی جوان لڑکی اپنے بولے فزٹر کے ساتھ راہِ تیار کرے تو کہنے والے نہیں گے کہ اس کے پورے قانڈاں کی ناک کٹ گئی۔ حالانکہ ناک اپنی جگہ پر سلامت رہتی ہے۔ اس کے برعکس کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ناک رہنے ہوئے اسے چھو کر دیکھنا پڑتا ہے کہ ناک واقعی ہے بھی یا نہیں۔

کوٹھے پہ شیخ آپا کے بیٹے کی دھاک ہے  
چھو کر تو دیکھئے کہیں نہ رہے یہ ناک ہے



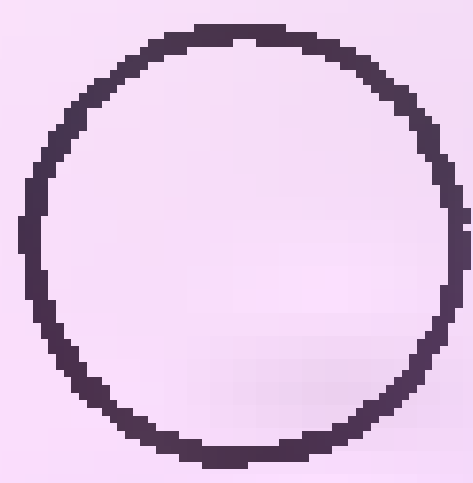
## لولامیٹر

رشتے کی بات جیب چلتی ہے تو لڑکی کی تعلیم، حسب و نسب اور شکل و صورت پر ہی پورا زور دیا جاتا ہے۔ لڑکی زبان دراز نہ بنیں اس جانب سے قطعی دھیان نہیں دیا جاتا۔ اور اگر دھیان دیا بھی جائے تو صحیح امکانات حال ممکن نہیں۔ عموماً اس کا پتہ تب ہی چلتا ہے جب بہو رخصت ہو کر آ جاتی ہے۔ اگر وہ لولا دراز نکلی تو گھر جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے۔ ایسی شادی خانہ بریادی کی مصداق ہوتی ہے۔ اسی طرح کے بہت سارے واقعات میرے پیش نظر تھے۔ اور میں برابر یہ سوچا کرتا تھا کہ ایک ایسا اعلیٰ ایجاد کیا جائے جس کے ذریعہ ہونے والی بہو کے لولا درازی کی پیما سش شادی انجام پانے کے قبل ہو سکے۔ یہ دھن مجھ پر ایسی سوار ہوئی کہ ایک ایسا آلہ تیار کر دیا جس کا نام میٹر میٹر کے وزن پر لولامیٹر رکھا۔ یہ بہت کنٹرول قسم کا آلہ تھا۔ اسے ہونے والی بہو کے مکان کے کسی حصہ میں نصب کر دیا جاتا تھا۔ یہ آلہ لڑکی کے لولا درازی کا پورا ریکارڈ اپنے اندر محفوظ کر لیتا۔ میری اس ایجاد سے لڑکے والے خوب مستفید ہو رہے تھے۔ اس کے برعکس لڑکی والوں میں بابا کار بھی ستمی۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی کہ رشتے کی بات چلتے چلتے اچانک ختم کیوں ہو جاتی ہے۔ خصوصاً اس الزام کے ساتھ کہ اور سب تو ٹھیک ہے لیکن لڑکی بڑی لولا دراز ہے۔

میں بہت خوش تھا کہ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی اللہ نے آمدنی کا ایک معقول ذریعہ نکال دیا ہے۔ یہ لڑکی والوں کو رازداری کی قسمیں کھلا کر دیا جاتا تھا۔ اسی طرح حسب معمول ایک مولانا رازداری کے فارم کی خانہ پڑی کر کے لولامیٹر خرید کر لے گئے۔ اور

رات کی تاریکی میں بڑے احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ ہونے والی پودے کے مکان کے پھوارے لولامیٹر ٹکڑے کر دیے گئے تھے کہ کسی کی نظر پڑ گئی اور وہ رنگے ہاتھوں پھوڑے گئے۔ دو چار ہی پہاڑوں کی ہلکی سی آواز کے بغیر اگر مولانا نے بیسرا نام بتانے کے علاوہ لولامیٹر کے کاموں اور اس کے کارخانہ کی بھی نشان دہی کر دی۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلنے لگی کہ وہ سارے لڑکی والے جو میری اس ایجاد کے زور میں آئے تھے، لاسٹھی تلواریں اور بلم برچھالے کر لوٹ پڑے۔ اور سارے تیار شدہ لولامیٹر کو تھیں نہیں کر کے مجھے بھی کیفر کردار تک پہنچا ناچا ہاں لیکن خوش قسمتی سے میں اس وقت گھر پر نہ تھا۔ گھنٹوں نوہ بازی کرتے، دشنام کے پیتے گردانتے اور ہوا میں بلم برچھالہ لہراتے اپنے گروں کو مدھارے۔

حملہ آوروں کی توڑ پھوڑ کے بعد ایک لولامیٹر جو کسی طرح محفوظ رہ گیا تھا اسے میں نے اپنے صاحبزادے کے حوالہ اس تاکید کے ساتھ کر دیا ہے کہ وقت آنے پر جیسے تھیں بھی ہولانا ہونو اس لولامیٹر سے ہو کی زبان داری کی پیمائش کے بعد ہی لانا۔



## امتحان کا نتیجہ

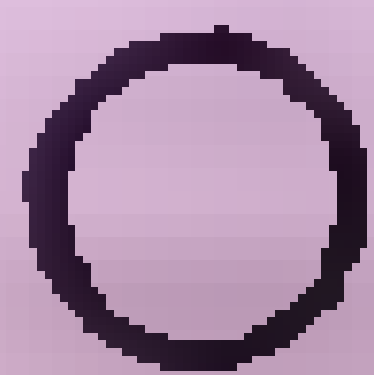
مجھے کہیں اپنی کامیابی کا یقین ہو ہی گیا۔ اور نہ ہوتا کیوں؟ سبلا میں کھڑی  
یاد شوقی تھوڑا ہی تھا۔ صرٹ یہی ناکہ طبع آزمائی کا شوق۔ مگر یہ تو کوئی ایسی بات ہی نہ تھی  
کہ میں ناکامیابی کا منحوس اور سببیاں تک خواب دیکھتا میرے اعزاء اور احباب پر تو میری دھاک ہی  
بھی تھی۔ سبلا اس کی مجال کہ میری شان میں لفظ ناکامیابی نکال لے بلکہ بقول میر صاحب اس  
کی زبان ہی کھینچ لی جاتی۔

میر صاحب مرحوم خدا غریب رحمت کرتے تھے تو میر یہاں صرٹ کھانے پر۔ لیکن  
حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے حق تک ادا کر دیا۔ میری زبانتہا دہم کے قائل اور میری تعریف  
میں ایسے رطب اللسان تھے کہ میرا داغ ہی نہ ملتا۔ اذرا اگر سچ پوچھتے تو یہ میر صاحب قیلہ ہی  
کی عنایت تھی کہ مجھے اپنی کامیابی میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نظر نہ آتی تھی۔

میں نتیجہ کے روز میر صاحب مرحوم میرے چند احباب کے ساتھ بیٹھے ہوئے قسبوں  
کھا کھا میری کامیابی کا یقین دلارہے تھے، بلکہ وہ تو یہاں ناکسا کہہ گئے کہ اگر اشم امتحان  
میں اول نہ آیا تو مجھے کچھ کہہ کر پکار لیتا۔ اور میں بھی انہیں کے درمیان بیٹھا بھیگی ٹلی کی طرح  
دم توڑ رہا تھا اتنے میں ایک سدا سنے لرزاں "میرٹک کارپنرلٹ" نے مجھے دھلا دیا۔  
میر اسر زور زور سے چکرانے لگا۔ میری آنکھوں کے ساتھ اندھیرا چھا گیا۔ میرے قلب کی  
رفتار تیز ہو گئی۔ میں اٹھنے سے قلعی مجبور تھا۔ صرٹ مری ہڈی ٹکا ہوں سے دوستوں کی طرف نکلتا

رہا۔ میرے صاحب مرحوم خدا جوار رحمت میں رکھے اختیار پر ایسا چھپے کہ وہ قلعی جس میں اقیوں گھول چکے تھے۔ چاندنی کی نذر ہو گئی۔ لیکن اس پر بھی وہ اپنی پوری طاقت سے پلے پڑ رہے تھے۔ اتنے میں کسی نے کہا، پیٹ نمبر ۵۵ رکھا کہیں پتہ نہیں، یہ آواز نہ کھتی میرے لئے موت کا پیام میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں زبان سوکھ کر کانس ہو گئی۔ مجھ پر نزع کی سی کیفیت طاری ہوتے گئی۔ اور میرا دم گھٹنے لگا میری شہرتیں خاک میں مل چکی تھیں۔ اور میرے صاحب پیش گویاں بھی۔ میں اکٹھا اور خود کو بدقت تمام گھسیٹتا ہوا پلنگ پر گر دیا۔ اور طرح طرح کے خیالات میں غوطے کھانے لگا۔ میں اپنے کو اس وقت اس بادشاہ کی طرح سمجھ رہا تھا جس کی سلطنت چین گئی ہو میں نے سوچا تفس ہے۔ ایسی زندگی پر اس سے تو موت کہیں بہتر ہے۔ کیوں نہ جا کر گڈا کی آغوش میں ابدی نیند سو رہوں۔ لیکن نہ جانتے کیوں میں نے اس ترکیب کو نظر انداز کر دیا۔ پھر سوچا کیوں ہمیشہ زہر ہلا ہل کھا کر خود کو اس رسوائی کے بھنور سے پار آتا رہوں۔ مگر مجھے یہ صورت بھی چنداں پسند نہ آئی۔ اور میں کوئی اس سے بھی سہل ترکیب سوچنے لگا۔ اسی غور و فکر میں نہ معلوم کس وقت میری آنکھ لگ گئی۔ بابوں کہنے کہ میرا دم نکلا میں نے رات بھر طرح طرح کے خواب دیکھے کبھی پھانسی کے پھندے میں گلا ڈالا تو کبھی زہر ہلا ہل کی شبیشتہ گلی۔ مگر میری موت نہ آئی تھی نہ آئی۔

صبح سویرے مرغ کی کلروں کوں کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ اور میں اسٹے بیٹھا جب کی گھڑی پر نظر پڑی۔ دیکھا تو وہ بند ہے میں نے اپنے قلب پر ہاتھ رکھا۔ مگر وہ بند تو رہا تھا۔ اُن وقت میری آنکھوں سے آنسوؤں کے چند قطرے ٹپ ٹپ آ گئے میں نے سوچا دانش اس گھڑی کی رفتار کی طرح میرے دل کی رفتار بھی بند ہو گئی ہوتی۔



## چچا بہار اردو اکیڈمی میں

چچا، بیٹھک میں دوستوں کے ساتھ چسکی لگا رہے تھے۔ اس درمیان کچھ بچے  
کہہ چکے تھے کہ مرزا سے پوچھا۔ ایں بار مرزا۔ یہ بہار اردو اکیڈمی ہے کیا۔ میں اپنے  
بھتیجے کی زبانی اکثر یہ نام سنا کرتا ہوں۔

حد ہو گئی واللہ! کہن مرزا بولے: تمہیں کچھ خبر نہیں کہ بہار اردو اکیڈمی کسی  
چڑیا کا نام ہے۔ یہ تو غیبت ہے کہ تم نے مجھ سے پوچھا۔ کسی اور سے پوچھتے تو احق ہی  
سمجھتا تم کو۔

احق کیوں سمجھتا بھلا۔ چچا بولے: جب نہیں جانتا ہوں تب ہی تو پوچھ رہا ہوں  
تم سے۔

تو بس۔ موٹا مولیٰ یہ جان لو۔ چچن مرزا بولے۔ بہار اردو اکیڈمی ایک ایسا ادارہ  
ہے جو اردو کے مسئلے میں بہت سارے مفید کام انجام دے رہا ہے۔ اس سے زیادہ تم  
سمجھ بھی نہیں سکتے۔

”مگر بار۔ اردو اکیڈمی ہے کہاں؟“ چچا نے دوسرا سوال کیا۔

”استغفر اللہ! کہن مرزا بھٹکے: یہ چند روز قبل جو ہم لوگ اردو لائبریری گئے تھے  
طاسم مونس نے بتایا، تو کیا تم آنکھیں بند کر کے ہوئے تھے جو لائبریری کے بغل والی سٹاڈر  
عمارت تھیں نظر ہی نہ آئی۔“

”اچھا اچھا۔ چچا ذہن پر زور ڈالی کر بولے۔ ”بہار اردو اکیڈمی وہ ہے گویا۔“

تب تو اردو۔ ایک دل ہم چاروں دہاں کی سیر کرائیں۔ اور اگر ممکن ہو تو بنو کی اماں کو بھی کسی دن



پر دے کے اہتمام کے ساتھ بہار اردو اکبڈمی کی سیر کرا دوں ۔

داغ ہی خراب ہو گیا ہو تو اس کا کیا علاج ۔ ہینگن مرزا غرائے ۔ یہ بہار اردو اکبڈمی کوئی چڑیا گھر ہے کیا جو بنو کی اماں کو لے جا کر دکھلاؤ گے ۔

” اماں یا مرزا ! چچا مسکرائے ۔ یہ تو یوں ہی تفریحاً کہا تھا ۔ ورنہ میں ایسا گدھا تھوڑا ہی ہوں کہ پڑانا ڈھول گئے میں لٹکائے پھروں ۔۔۔۔۔۔ ہی ہی ہی ۔۔۔۔۔۔ تو بناؤ بہار اردو اکبڈمی چلنے کا پروگرام ۔

پروگرام کیا بنا ہے ۔ تینوں انیسویں ایک زبان ہو کر بولے یہ کل ہی صبح سویرے چل چلیں ہم لوگ ۔

چچی کو جب چچا کے پروگرام کی خبر ملی تو انھوں نے رات ہی کو کلوچہ بنا کر تیار کر دیا ۔ صبح سویرے جب چچا کے تینوں دوست آگئے تو بدھوا ملازم چوراہے سے ٹم ٹم لے آیا ۔ چچا اکرٹے ہوئے حوٹی سے باہر نکلے چچا چست پاجامہ انکا اور سلیم شاہی جو تاپہتے ہوئے تھے سر پر کن چھپی ٹوپی ۔ کندھے پر لٹکے شریف کاروال اور بازو پر امام نماں بندھے تھے ۔

چچا دوستوں کے ساتھ ٹم ٹم پر ہوار ہو گئے تو چچی کلوچہ کی قبلی ۔ پن پیا اور صراحی بدھوا کے حوالہ کر کے بولیں ۔ بیٹھ جاؤ بھی ٹم ٹم پر ۔ اور دیکھ راستے میں تھوڑی تھوڑی دیر پر میر صاحب کو کلوچہ کھلا کر پن پیاسے پانی پلاتے رہو ۔

ٹم ٹم چل پڑی ۔ شاہ گنج سے چوہہ کی دوری ہی کتنی ہے ۔ بات کی بات میں راستہ طے ہو گیا ۔ بدھوا غریب راستہ میں چچا کو کلوچہ بھی نہ کھلا سکا ۔ البتہ بہار اردو اکبڈمی کے کمپاؤنڈ میں جب ٹم ٹم رکی تو چچا نے دو تین کلوچہ قبلی سے نکال کر کھایا اور پن پیاسے پانی پی کر ٹم ٹم سے کو دپڑے ۔

اندر قدم رکھتے ہی چچا کی نظر اکبڈمی کے سیل سٹر پر پڑی ۔ قریب جا کر چچا نے پوچھا ۔ ایں جی بابو ۔ داستان امیر حمزہ طلسم ہوشربا اور ایفوں کے فوائد سے متعلق بھی کتابیں مل سکتی ہیں یا نہیں ؟ لیکن جب نفی میں جواب ملا تو چچا بھٹنا کر بولے ۔ یہ کیسا سیل سٹر ہے

صاحب کے ایفون سے ذوق رکھنے والوں کیلئے ایک کتاب بھی یہاں نہیں۔ اچھا تاثر ہے یہ  
... ادھر ادھر نظر میں دوڑا کر۔ (اشارہ کر کے) وہ ساتے دلے ہال میں کیا قمر دخت ہوتا ہے زرا  
وہاں کچھ قمر دخت تھوڑے ہی ہوتا ہے۔ چھپن مرزا نے جواب دیا۔ وہ تو شعبہ خطاطی  
ہے جہاں کتابت کرنی سکھائی جاتی ہے۔

”خوب خوب“ پچھلے۔ تب تو بہت مفید اور کارآمد مہتر سکھایا جاتا ہے (سرگوشی کے  
انداز میں)۔ ... یار مرزا کیوں نہیں ہم لوگ بھی کتابت سیکھنے کے لئے اپنا داخلہ کرا لیں۔ یہ مہتر  
سیکھ لیا تو گھر بیٹھے ایفون کے لئے پیسے نکل آئیں گے۔

یہ کہتے ہیں لالہ۔ چھپن مرزا نے پھکارا۔ تیریں پاؤں لٹکائے ہیں اور چلے ہیں  
کتابت سیکھنے۔

پچا سیٹرھیاں چڑھ کر اوپر کی منزلیں پہنچے۔ اور چاروں طرف گردن گھما کر دیکھنے  
کے بعد بولے۔ واقعی مرزا ایڑی شاندار عمارت ہے۔ سب دریاہوں کے باعث بہت ہی پر فضا بھی  
ہے کچھ دنوں یہاں رہ جاؤں تو والد صحت من جانے۔

پچا کو جب معلوم ہوا کہ منتخب کتابوں کی طباعت کے مالی تعاون کے علاوہ انعامات سے  
بھی نوازا جاتا ہے تو چچا خوش ہو کر بولے۔ ”یارو۔ میں بھی کوشش کروں گا کہ ایفون کے فوائد  
پر ایک کتاب لکھوں اور ایک بیڈ می کی مالی تعاون سے چھپوا کر انعام بھی حاصل کروں۔“  
ہمت کرے اور ان تو کیا ہو نہیں سکتا

ایک بیڈ می کے ہر شعبہ میں گھومتے ہوئے چچا کتابت خانہ میں پہنچے۔ وہاں کتابوں کی چوبکیوں پر  
تکیہ کے سہارے کتابت کرتے دیکھ کر بولے۔ دیکھتے ہو یارو۔ اس طرح بیٹھ کر کام کرنے میں  
سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب جی چاہا لیٹ کر کر سیدھی کر لی۔ یہ کہہ کر چچا بھی خدا کر سیدی کرتے سر  
کے نیچے تکیہ رکھ جو لیٹے تو خراٹے بھرنے لگے۔ گھنٹوں بعد جب نیند ٹوٹی تو ایفون کھانے کا وقت ہو گیا  
تھا۔ چچا اور ان کے ساتھیوں نے جب سے ایفون کا ڈیجیٹل کالی اور مکی گانے میں مشغول ہو گئے یہاں  
تک کہ عالم سرور میں غوطہ لگانے کا ایک دوسرے پر ڈھیر مہم کر دیا دیا یہاں سے بے خبر ہو گئے۔



باشم غلیم آباری

# ایک کنوارے کی دعا بدرگاہ قاضی الحاجات

اے میرے خدا مجھ کو گھرایے سر کا دے  
اک اچھی سی سروی جو پہلے مجھے دلوادے

رشتہ کے ملیں پیسے کچھ اتنے دھڑے  
جو میرے مقدر کے ہر ڈرے کو چمکا دے

ہو دل کا غمی ایسا وہ میرا سر بار بار  
جو عقد کے پہلے ہی ٹی وی مجھے بھیجوا دے

جو ہی کے علاوہ جو مجھ پر سے نچا اور ہو  
اک ایسی بھی سالی دے اک ایسا بھی مالا دے

بخشی ہے مجھے تو نے ویسے نوکٹی مرغی  
اک ایسی مرغی دے جو سونے کا انڈا دے

ہمدوش ہوں برلا کے ٹاٹا کے برابر ہوں  
کچھ آتی بلندی پر مولا ہمیں پہنچا دے

لیڈر کی طرح یارے سسرال میں رہنا ہو  
دن کو ہوا گر چوری تو رات کو مرغا دے

باشم کی طرح مولا ہر ایک کنوارے کو  
تو اپنی عنایت سے قارون کا خزانہ دے

# پروکلام

ہاشم سے ملاقات کے خواہاں ہوں اگر آپ  
 وہ صبح کو پڑھتا ہوا اخبار ملے گا  
 اور دس بجے جب جاتی ہیں کالج کچھ تھکن  
 ملتا ہوا ان کو سر بازار ملے گا  
 اور بارہ بجے وقت ہے قیلو لہ کا اُس کے  
 وہ کر دھیں لیتا ہوا ہر بار ملے گا  
 اور چار بجے پاس کے ہوٹل میں پہنچ کر  
 یاروں کو سنا ہوا اشعار ملے گا  
 اور شام کو دیکھو تو کتب خانہ میں بیٹھا  
 گرد اُس کے کتابوں کا اک انبار ملے گا  
 اور رات کو نو دس بجے گھر آتے ہی واپس  
 بستر پہ پڑا نیند سے سرشار ملے گا  
 اور بارہ بجے شب میں ہو جب غلبہ اشعار  
 بستر ہی پہ لکھتا وہ قلم کار ملے گا  
 اللہ وہ مشغول رہا کرتا ہے ہر دم  
 شاید ہی کبھی آپ کو بے کار ملے گا  
 اور ہو کسی باعث جو طبیعت پہ گرائی  
 خود اپنی ہی صورت سے وہ یزار ملے گا